جلد 21 شمارہ 2 ماہ فروری 2019ء جمادی الثانی 1440ھ
وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا
صداقت
اللہ
محبت
سِلسلہ عالیہ توحیدیہ
ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل
ماہنامہ
فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالی کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالی کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
ای میل: info@tauheediyah.com Ph: 055-3411030
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے

سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

دین کی تکمیل

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ)

کرۂ ارض پر انسان کے ظہور کے بعد جب آبادی بڑھ گئی تو سب کیلئے ایک جگہ اکٹھا رہنا ممکن نہ رہا کیوں کہ کسی ایک جگہ کے وسائل پوری آبادی کی کفایت نہیں کر سکتے تھے۔ کچھ لوگ پانی اور دیگر قدرتی وسائل کی تلاش میں نقل مکانی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ اس طرح آبادی کا سلسلہ بڑھتا چلا گیا اور مہاجرت کے عمل کے نتیجے میں انسان کرۂ ارض پر پھیل گیا۔ ابتدائی دور میں چونکہ ذرائع آمد و رفت مفقود تھے۔ اس لیے انسانی آبادیاں ایک دوسرے سے کٹی ہوئی تھیں، آپس میں میل جول نہ ہونے کی وجہ سے ہر آبادی کا رہن سہن، بول چال اور طرز بود و باش بھی دوسروں سے مختلف ہو گیا۔ ایک دوسرے سے جدا ان معاشروں میں جو خرابیاں جنم لیتیں ان کی نوعیت بھی ایک دوسرے سے مختلف تھی۔ ان حالات میں انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے ہر بستی کے لیے علیحدہ علیحدہ پیغمبر مبعوث ہونا وقت کی ضرورت تھی۔ قرآن کریم کا بیان ہے اللہ نے ہر قوم کے لیے ان کے اندر ہی سے نبی بنائے اور یہ بھی بتایا:

﴿ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ ﴾ (سورۃ ابراہیم:۴)

یعنی اس رسول پر اترنے والا اللہ کا کلام اسی زبان میں ہوتا تھا جو زبان اس کی قوم بولتی تھی۔
اس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ہر انسان تک اپنا پیغام واضح طور پر پہنچانے کے انتظامات کر دیئے۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے انبیاء کی بعثت کا سلسلہ چلتا رہا۔ بعض اوقات ایک ہی قوم میں کئی کئی نبیوں کو مبعوث فرمایا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ تشریف لائے اور بنی اسرائیل کی

ہدایت کے لیے اس زمانے اور قوم کے حالات کے مطابق انہیں انجیل عطا فرمائی گئی انکے بعد حالات پھر بگڑنے لگے اور چند صدیوں کے بعد نفس کی خواہشات اور ہواو ہوس کی ظلمات نے دین کی حقیقت کو پوری طرح ڈھانپ لیا اور انسانیت پھر ایک مرتبہ کفر و شرک کے اندھیروں میں ڈوب گئی ۔سلسلہ نبوت کے اس طویل دور میں جو کتابیں انبیاؑ پر اتاری گئیں وہ زمانے کے حالات،حفاظت کے لیے وسائل کی عدم موجودگی اور تحریف ہوجانے کی وجہ سے محفوظ نہ رہ سکیں یہی وجہ ہے کہ گزشتہ انبیاء کے پیروکاروں کا کوئی بھی گروہ یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ان کے پاس اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب اپنی اصل شکل اور ابتدائی متن کے ساتھ موجود ہے نہ ہی ان انبیاء میں سے کسی کے مستند اقوال اور حالات زندگی اس وقت دستیاب ہیں جو انسانوں کو عملی راہنمائی مہیا کرسکیں۔

اس کے باوجود گزشتہ پیغمبروں کی تعلیم کے کچھ اثرات ان کی قوموں میں باقی رہے خالق کائنات کے وجود پر ایمان،مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کا اعتقاد اور خیر و شر کے کچھ اصولوں کی پابندی کسی نہ کسی صورت میں بہر حال موجود رہی۔بنی نوع انسان کی لاکھوں برس پر پھیلی ہوئی زندگی میں ایک لاکھ اور کئی ہزار پیغمبر راہنمائی کے لیے تشریف لائے۔ان کی تعلیم اور محنت کے نتیجے میں نسل انسانی آہستہ آہستہ شرک اور توہم پرستی سے نکل کر توحید کی طرف اور جہالت کو ترک کر کے تہذیب و تمدن کی طرف بڑھتی رہی۔حتیٰ کہ قدم قدم روشنی کا یہ سفر طے کرتی ہوئی بچپن اور لڑکپن کے ادوار سے گزر کر سن بلوغ کو پہنچ گئی۔اسکے بعد ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔دنیا میں مواصلات اور نقل و حمل کی نئی نئی ایجادات کے وجود میں آجانے کی وجہ قوموں اور ملکوں میں پائی جانے والی جغرافیائی اور ذہنی دوری بھی کم ہونے لگی تھی اور کرہ ارض پر بکھری ہوئی آبادی اب گمنامی کے اندھیروں اور علاقائی سوچوں سے نکل کر باہمی رابطوں کی وجہ سے ایک وحدت بنتی نظر آرہی تھی۔ذرائع ابلاغ اس سطح پر پہنچ چکے تھے کہ کسی ایک ہی شریعت کا تمام انسانوں تک پہنچنا ممکن ہوگیا تھا۔انسانیت کی ذہنی بلوغت اور زمانے کے سارے حالات اب اس امر کے

متقاضی تھے کہ اب ایک ایسا دستورِ حیات عطا ہو جو پوری انسانیت کے لیے کافی ہو اور اس کے بعد کسی آسمانی ہدایت کی ضرورت باقی نہ رہے۔

اس کی مثال اس طرح ہے جیسے ایک بچے کیلئے ہر سال نئے ناپ کا لباس تیار کرنا پڑتا ہے اور وہ اس کی ضروریات کے عین مطابق اور اس کے قدو قامت پر پورا اترتا ہے لیکن جب وہ جوان ہو جاتا ہے اور اس کے قد کاٹھ میں ٹھہراؤ آجاتا ہے تو بچپن کی عمر کا کوئی بھی لباس اس کے جسم پر پورا نہیں آتا۔ لیکن اب جو لباس اس کے لیے پورے ناپ کا تیار کیا جائے گا اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں پڑے گی اور وہ ہر عمر میں استعمال کیا جا سکے گا۔

پوری انسانیت کے اس تقاضے کو پورا کرنے کے لئے اللہ رحیم و کریم کی رحمت جوش میں آگئی اور بنی نوع آدم سے اپنی بے پایاں محبت کا اظہار فرماتے ہوئے اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور کرہ ارض پر بسنے والے تمام انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے اپنی آخری کتاب قرآن مجید فرقان حمید نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ اور قرآن کریم دونوں کو تمام انسانوں کے لیے بھیجا اور سب جہانوں کے لیے رحمت بنایا۔

﴿ قُلْ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴾ (الاعراف:۱۵۸)

''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا یعنی اُس کا رسول ہوں''

﴿ وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ (سبا : ۲۸)

ترجمہ: ''اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ (الانبیاء : ۱۰۷)

ترجمہ: ''اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (بنی اسرائیل: ۸۲)

''اور ہم قرآن میں وہ چیز نازل کر رہے ہیں جو مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے''۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (یونس: ۵۷)

''اے لوگو! تمہارے پاس ربّ کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفاء اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے''۔

قرآن کریم اور نبی رؤف و رحیم ﷺ گزشتہ تمام انبیاء کی نبوت اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ آخری کتاب گزشتہ تمام انبیاء کی تعلیم کا احاطہ کرتی ہے اور اللہ کی نعمتوں کی تکمیل کرتی ہے۔ اس وقت روئے زمین پر موجود یہ واحد کتاب ہے جو منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں تمام جنوں اور انسانوں کو چیلنج کرتے ہیں کہ اگر تم اس کتاب کی صداقت پر شک کرتے ہو تو سارے مل کر قرآن کی مثل ایک کتاب بنا کر لے آؤ اور ساتھ ہی فرما دیا کہ تم ایسا کبھی نہ کر سکو گے۔ گزشتہ تمام انبیاءؑ کی تعلیم صرف اپنے اپنے محدود دور کے لیے تھی اس لیے اس کی حفاظت کا انتظام مستقل نوعیت کا نہ تھا۔ اللہ کی اس آخری کتاب کی تعلیم کو قیامت تک باقی رہنا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا۔

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ (الحجر : ۹)

ترجمہ: ''بے شک یہ کتاب نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے محفوظ رکھنے والے ہیں''۔

اس کتاب مقدس کو انسانوں تک پہنچانے کے لیے بنی نوع انسان کے سالار اور انبیاءؑ کے سردار حضور رحمت للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا انتخاب روز ازل ہی کیا جا چکا تھا۔

گذشتہ تمام انبیاءؑ آپ ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دیتے چلے آئے ہیں۔تورات،انجیل اور ہندوؤں کی کتابوں میں بھی حضور ﷺ کے آنے کی پیش گوئیاں ملتی ہیں۔آپ ﷺ نے اللہ کے دین پر خود عمل کر کے رہتی دنیا تک آنے والے انسانوں کے لیے مثالی نمونہ پیش کر دیا اور تیئس برس کی لگاتار جدوجہد کے بعد اللہ کے دین کی بنیاد پر ایک مثالی فلاحی ریاست قائم کر کے دکھادی۔ حضور نبی کریم ﷺ کی زندگی کے آخری ایام میں جب قرآن کریم کی تعلیم میں ہر وہ چیز شامل کر دی گئی جس کی بنی نوع انسان کی دنیوی اور اخروی فلاح اور مقصودِ حیات کے حصول کے لیے ضرورت پڑ سکتی تھی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہلِ ایمان کو بشارت دیتے ہوئے یہ اعلان فرمادیا:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾

(المائدہ:۳)

’’آج ہم نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے پسند کر لیا‘‘۔

جس دین کی تکمیل اللہ تعالیٰ نے خود فرمادی اب اسے کسی اضافہ،کمی،ترمیم یا تبدیلی کی قطعی کوئی حاجت نہیں اور نہ ایسا کرنے کا کسی ہستی کو حق حاصل ہے۔اس لیے حضور سید الانبیا ﷺ پر نبوت ختم کر دی گئی کیوں کہ جن وجوہات کی بنا پر نئے پیغمبر آتے تھے وہ تمام ختم ہو چکی تھیں۔ اب قیامت تک آپ ﷺ کا ہی دورِ نبوت ہے۔

نقوشِ مہر و وفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

بابا جانؒ سے پوچھا گیا کہ بابا جان! یہ نفسِ مطمئنہ کب پیدا ہوتا ہے؟ کیا یہ مرنے کے بعد ہوتا ہے۔!!!

بابا جانؒ فرمانے لگے کہ یہ نفس دو، تین نہیں ہیں۔ نفس کی یہ ایک کیفیت یا حالت ہے۔ تین قسم کے نفس نہیں ہیں۔ بنیادی طور پہ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ اِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوء. (سورۃ یوسف آیت: ۵۳) یعنی نفس جو ہے یہ برائی کی طرف ہی حکم دیتا ہے۔ اس کی جو Attachment ہے وہ مادّے کے ساتھ ہے۔ جو مادّی خواہشات ہیں ان کا تعلق نفس سے ہے۔ نفس یہ بذات خود یوں سمجھئے کہ جیسے باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) نے روحانی طبقات میں لکھا ہے کہ ''ملکوت، جبروت، لاہوت، ادھر آگے جا کے بسائط آتے ہیں پھر عرش کا درجہ ہے۔ عقل بسیط ہے، نفس بسیط ہے، اور روح بسیط ہے۔ یہ بسائط ہیں''۔

وہ روح جس کو اللہ تعالیٰ دنیا میں پیدا کرنا چاہتا ہے، روح کے بیان میں باباجیؒ نے لکھا ہے کہ اس میں سوائے محبت اور عبودیت کے اور کچھ صفت نہیں ہوتی۔ وہاں یہ عالم ارواح میں جہاں ہے اس وقت اس میں Basically دو صفات ہیں، عبودیت اور محبت۔ اس کے سوا کوئی صفت نہیں ہوتی۔ لیکن دوسری چیزوں کو Absorb کرنے کی اس میں صلاحیت ہوتی ہے۔ جس میں سے یہ جائے گی، اس کا رنگ وہ Catch کرے گی۔ اس وقت وہ اللہ کے ساتھ محبت کرتی ہے اور اس کی بندگی وہ الست بربکم والا جو فارمولا ہے، اس میں وہ ہے۔ پھر وہاں سے جب اللہ اس کو زمین کی طرف بھیجنا چاہتا ہے تو زمین تک آتے آتے اس پر زمینی

رنگ چڑھ جانا چاہئے ناں ۔وہ تو بالکل وہاں پر خالص روحانی صورت میں ہے ۔خدا سے محبت کرتی ہے اور مادّے کے ساتھ اس کی کوئی Attachment نہیں ہے ۔

اب اس کے ساتھ ایسے پرزے اور خواص Attach کیے جائیں گے جو مادّی دنیا کے لوازمات میں سے ہیں ۔اس کو مادّی دنیا کو دیکھنے کے لئے ، مادّی چیزیں اور آوازیں سننے کے لئے ، اور باتیں کرنے کے لئے لوازمات اور خواص چاہئیں ۔ یہ Instruments جو ہیں ، یہ اس کا مادّی دنیا کے ساتھ رابطہ قائم کریں گے ۔اب آنکھ تو نہیں دیکھتی ، اندر جو چیز ہے وہ دیکھتی ہے ۔کان جو ہیں ان میں Waves آتی ہیں اور جاتی ہیں ، اور Strike کرتی ہیں لیکن اندر جو اس کا ادراک کرتی ہے وہ روح ہی ہے ۔آنکھ کا یہ کہتے ہیں کہ اب ٹھیک نہیں ہو سکتی ، اس کا پیچھے سے نور ختم ہو گیا ہے ۔اس آنکھ میں Fault ہو تو یہ ٹھیک ہو جاتا ہے ، یہ آنکھ ہی بدل دو لیکن اگر وہ پیچھے سے سسٹم ہی گڑبڑ ہو گیا ہے تو پھر اگر آنکھ Change بھی کریں گے تو کوئی فرق نہیں پڑتا تو یہ Instrument جو ہے یہ اس روح کو مادّے کے ساتھ Connect کرنے کے لئے ہے ۔

سلطان بشیر محمود کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا سسٹم نکل آئے جس سے اگر Directly ذہن میں چیزوں کی سوچ چلی جائے تو ہمیں آنکھوں کی اور کانوں کی ضرورت نہ رہے ۔اب ایسا کوئی براہ راست طریقہ نکل آئے جیسے اب ٹی وی پر الیکٹرانک ویوز (Electronic waves) کی صورت میں کہ بندہ کہاں بیٹھا ہوتا ہے اور وہ اس کو ایسے Connect کر لیتے ہیں کہ جیسے یہ وہی ہے جس کو آپ دیکھ رہے ہیں ۔وہ ایسے تو نہیں دیکھا جا سکتا ، امریکہ میں یا اسلام آباد میں بندہ بیٹھا ہوا ہے اور ہم اس کو دیکھ لیتے ہیں ۔ایک ایک صورت اس کی بن گئی ہے کہ وہ وہاں پر کہیں بیٹھا ہوا ہے اور وہ درمیان میں اس فاصلے کو Electronically کراس کر کے وہاں ٹی وی پروگرام میں پہنچ جاتا ہے اور ہم اس کا اسی صورت میں ادراک کر رہے ہوتے ہیں ۔

مطلب یہ کہ اس انسان کو مادّے کے ساتھ دنیا میں بھیجنا تھا اس لئے لکھا ہے کہ وہ وہاں سے نزول کرتا ہے ۔نزول کا مطلب ہے عرش سے دوری کا سفر ۔عرش سے دوری کا جو سفر ہے

یہ نزول کہلاتا ہے۔ وہاں سے وہ روحِ بسیط سے چلتی ہے، پھر عقلِ بسیط سے گزرتی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس کا حصہ مقدر کر رکھا ہے کہ اس کو کتنا حصہ ملے گا۔ پلان جو ہے وہ خدا نے Already کرلیا ہے کہ اس کو کتنا اور کہاں سے ملنا ہے۔ وہ روح جب عقل بسیط سے گزرتی ہے تو اس میں عقل جو ہے وہ پیدا ہوجاتی ہے۔ پھر وہ نفس بسیط سے گزرتی ہے۔

نفس میں بنیادی طور پر خواہش کرنے کی Ability ہے۔ اب یہ جو کتاب ہے، اس میں خواہش کرنے کی Ability (قابلیت یا صلاحیت) نہیں ہے۔ پتھر میں کوئی خواہش کرنے کی Ability نہیں ہے۔ روح میں نفس بسیط سے گزرنے سے خواہش کرنے کی جو Ability پیدا ہوجاتی ہے خود اس کا نام نفس ہے۔ خواہش کرنے کی اہلیت پیدا ہوگئی ہے، خواہشات ہزاروں ہیں

ع ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

جو چیز بھی یہ دیکھتی ہے اس کی طرف لپکتی ہے۔ دنیا کی طرف، اس کی ساری خواہشات پوری کرنے کے لئے، وہ اسی میں نظر آتی ہے۔ مطلب یہ کہ اس روح میں خواہش کرنے کی Capability (صلاحیت) پیدا ہوجاتی ہے۔ اب یہ کس رنگ میں ظاہر ہوتی ہے؟ ظاہر ہے کہ جب میدان میں جائے گی تو پتا چلے گا۔ کسی بندے کو دیکھا، پھول کو دیکھا، مکان کو دیکھا، اور جو دیکھا تو وہاں یہ بات ظاہر ہوئی کہ مجھے بھی یہ مل جائے۔ Flourish تو وہ ماحول میں جا کر ہوگی لیکن خواہش کرنے کی صلاحیت اس روح کے اندر آجاتی ہے۔ Ability to wish جو ہے وہ آگئی۔ اس ادارے کا نام جو اندر ہے، اس کا نام نفس ہے۔ خواہش کرسکتا ہے۔ یہ ساتھ آتا ہے۔

Basically وہ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ۔ اس روحانی چیز کو الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي۔ (سورۃ الاسراء ۱۷۔ آیت ۸۵) یعنی اس امر کو مادی دنیا کے ساتھ Attach کرنے کے لئے یہ پرزے اس کے ساتھ لگادیے گئے ہیں۔ اب وہ یہاں آکر چیزوں کو دیکھتا ہے تو خواہش پیدا ہوتی ہے۔ چھوٹا سا بچہ وہ بھی رنگ دار کھلونے ہوں تو ان کو پکڑتا ہے۔

یہ رنگ دار بنائے جاتے ہیں۔وہ ان کو پکڑتا ہے، ان سے کھیلتا ہے،تو یہ نفس کا معاملہ اس میں شروع ہو جاتا ہے۔جیسے جیسے آگے بڑھتا ہے،وہ پڑھتا ہے۔وہ نوجوان ہوتا ہے۔پھرعورتوں کی خواہش Sex کی وہ بھی پیدا ہو جاتی ہے۔وہ پھر اس میں لگ جاتا ہے۔چھوٹا ہےتو کوئی پرواہ نہیں،مٹی میں بیٹھا ہے،مٹی لگ گئی، پیشاب کر دیا تو کچھ نہیں ہوتا۔جب بڑا ہو جاتا ہےتو پھر وہ نخرے کرنا شروع کر دیتا ہے کہ ذرا بھی چھینٹا نہ پڑے، یہ نہ ہو، وہ نہ ہو۔خواہش کرنے کی صلاحیت جواندر ہے،اس میں ترمیم ہوتی رہتی ہےاوروہRefine بھی ہوتی جاتی ہے۔لیکن یہ اس میں بنیادی طور پر مادّے کی طرف اس کا رجحان ہے۔انسان کو مادّے کے ساتھ وہ Connect کر دیتی ہے۔وہ اس کو کھانا اور پینا، اچھا لباس اور ایسی چیزوں سے جوڑ دیتی ہے۔ اللہ خودقرآن میں کہتا ہے کہ ہم نے لوگوں کے دلوں میں خواہش پیدا کر رکھی ہے، ڈھیروں سونا اور چاندی،خوبصورت عورتیں،اورجانور،اورفصلیں،اوران کی محبت ہم نے خودڈالی ہیں۔وہ نہ ہوں تو پھر ٹیسٹ کیا ہوا؟اگر اس کے دل میں محبت ہی نہ ہو،اب خسرا جو ہےاس کا عورت کے ساتھ کیا ٹیسٹ ہوگا کہ اس میں Sex ہےہی کہ نہیں۔اس میں وہ ہواور پھر وہ کنٹرول کرے۔نگاہیں نیچی رکھنی ہیں،شرمگاہوں کی حفاظت کرنی ہے، اورتم نے اس کو بچا کے جانا ہے تو پھر وہ اس میں Refinement کرے گا۔Basically اس کو خواہش ادھر کی ہوتی ہے، وہ اس میں لپکتا ہے۔ہرانسان میں ہوتی ہے۔اس کو چیک کرنے کے لئےضوابط جو ہیں وہ مذہب دیتا ہے۔ جس لائن میں بھی وہ آنا چاہتا ہے، وہ اس کو بتاتا ہے کہ تم نے اس طرح کنٹرول کرنا ہے۔ نگاہیں نیچی رکھو۔ایک نگاہ دیکھ لی، دوسری نگاہ دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔اپنے کام سے کام رکھو۔

روح جو ہے وہ دنیا کے ساتھ آشنا نہیں ہے۔یہ نفس اس کے ساتھ نمائندہ لگا دیا جاتا ہے کہ یہ جو ہے، یہ مادّی دنیا کے ساتھ اس کو پوری طرح واقفیت ہے،اور یہ تمہیں سارے گُر بتائے گا۔جیسے آپ گوجرانوالہ میں آتے ہیں کہ یہ کتاب ہے، یہ ہر گھر میں دینی ہے۔یا یہ ٹیلی فون کی ڈائریکٹری ہے، یہ ہر گھر میں دینی ہے، ہر محلے میں جانا ہے۔مجھے تو گوجرانوالہ کا کوئی پتہ نہیں

میں تو محلے سے لوگوں کے نام بھی نہیں جانتا۔تو وہ ایک بندہ ساتھ دے دیا جاتا ہے کہ یہ گوجرانوالہ کا رہائشی ہے۔یہ ہر گلی، ہر محلے، سے واقف ہے، یہ آپ کے ساتھ چلتا ہے۔یہ سارے پتے دے گا کہ کونسا گھر کدھر ہے، گلی نمبر اور نام۔یہ آپ کو ساری راہنمائی کرے گا۔

مادّے کے ساتھ اس روح کی Attachment کرنے کے لئے (نفس کی صورت میں) نمائندہ ساتھ لگا دیا جاتا ہے۔لیکن ساتھ وارننگ بھی دی ہے کہ ہوشیار رہنا یہ خطرناک بندہ ہے۔گھر تو سارے جانتا ہے لیکن یہ آپ کو گمراہ بھی کرنے کی کوشش کرے گا۔آپ مرکزِ تعمیر ملت سے آئے ہیں، وہ بھول جائیں اور گوجرانوالہ کے چڑے، وہ پکوڑے بنانے میں نہ لگ جائیں۔ اس سے ہوشیار رہنا، اس سے کام لینا ہے، لیکن اس کے مکروفریب سے ہوشیار رہنا۔ بتلایا کہ یہ متاعِ غرور ہے۔یہ دنیا بھی اور شیطان بھی۔نفس کا سمجھیں کہ یہ شیطان کا نمائندہ ہے۔ اس کے Through یہ شیطان کام کرتا ہے۔اس کی وحی نفس کو ہی جاتی ہے۔وہ اس کو نفس سے اُبھارتا ہے۔

یہ آدمی کا کمال ہے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائے۔اس نمائندے سے اپنی ڈیوٹی کرنے کے لئے کام بھی لے۔تمام دنیا کو تسخیر کرے۔یہ انسان اسے تسخیر میں لگاتا ہے۔باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) نے لکھا ہے کہ پھول دیکھا! خواہش پیدا ہوئی، چلا اور توڑا۔فرمایا کہ دیکھنے سے خواہش پیدا ہوتی ہے۔دیکھنے سے ہی حرکت پیدا ہوئی تو آپ چلے، پھول توڑا، اور لے آئے۔اگر نفس نہ ہوتا تو یہ زندگی نہ ہوتی۔کوئی خواہش نہ ہوتی تو کوئی حرکت بھی نہ ہوتی۔ حرکت نہیں ہے تو زندگی نہیں ہے۔حرکت کا نام ہی زندگی ہے۔چلتی کا نام ہی گاڑی ہے۔ اگر یہ نفس نہ ہوتا تو دنیا میں کوئی حرکت نہ ہوتی۔حرکت نہ ہوتی تو زندگی بھی نہ ہوتی۔زندگی کیلئے نفس ضروری ہے لیکن وہ لپکتا مادّے کی محبت کی طرف ہے۔یہ سب کچھ مجھے حاصل ہو جائے۔ ساری دنیا کی عورتیں بھی مجھے مل جائیں، یہ دولت بھی میں اکٹھی کرلوں!!!

اَلۡهٰکُمُ التَّکَاثُرُ ۔ اور یہ زیادہ ہوس نے تمہیں گمراہ کردیا ہے۔More, more, more تو اس نے تمہیں تباہ کردیا ہے۔یہ اَمَّارَۃٌ بِالسُّوۡءِ ۔بنیادی طور پر وہ ہے۔

اب اس کی تربیت کرنا ہے کہ اسے احساس پیدا ہوجائے۔اس کے لئے کوئی **نفس مطمئنہ** اُسے مل جائے: **فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْo وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ** ۔(سورۃ الفجر ۸۹۔آیات:۲۹۔۳۰)

''میرے بندوں میں داخل ہوجا!میری جنت میں آجا''۔

یعنی وہ جنت میں آنے کے لئے اپنے مقبول بندوں کا راستہ بتاتا ہے کہ میرے بندوں میں داخل ہوجا اور میری جنت میں آجا۔وہی میری جنت کا راستہ ہے۔نفس کی تربیت کے لئے کوئی بندہ اسے مل جائے جو اسے بتادے کہ ان خواہشات کو قابو کرنا ہے۔اس کے پیچھے دوڑنا طول امل اسے کہتے ہیں، لمبی لمبی خواہشیں۔یہ تو فلاح کا راستہ نہیں ہے۔بلکہ صبر وقناعت فلاح کا راستہ ہے کہ

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغناء میں معراج مسلمانی

یہ کاریں،کوٹھیاں،یہ بنگلے،اور یہ اور وہ۔تہذیب حاضر اس کے پیچھے بھاگ رہی ہے۔Status۔اور وہ اقبال کہتا ہے کہ اس میں نہیں ہے۔

ان چیزوں سے غنی ہوجانا ہے کہ ان کی خواہش نہ رہے۔مکان کچا ہے،یا پکا ہے،بس! اللہ کا نام رہے۔وہ کٹیا بھی جنت ہے جس میں خدا کی یاد ہے۔وہ صحیح ہے۔اس لئے اس کو کنٹرول کرنے کی ضرورت ہے۔حضورﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی کو چھت میسر ہے،ایک بیوی ہے،گھر میں ایک خادم یا خادمہ ہے،تو اس کو پوری دنیا مل گئی۔اس کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے،اس کو پوری دنیا مل گئی۔یہ پوری دنیا ہے۔اب یہ آپ کہیں کہ گھر Defense میں ہو تو یہ غلط ہے۔گھر ہونا چاہئے! بس! الحمد للہ۔وہ ادھر ہو یا اسلام آباد میں فلاں جگہ ہو،وہ غلط ہے۔گھر کی چھت مل گئی تو دنیا کا ایک پارٹ مل گیا۔بیوی مل گئی تو دنیا کا ایک پارٹ مل گیا۔بہترین وہ ہے آپ کے پاس نوکر بھی ہے تو فرمایا کہ آپ کو پوری دنیا مل گئی۔اب وہ پوری سمجھنے کی بات ہے۔وہ اسے راہ راست پر لانے کے لئے ہے۔نفس کی خواہشات جو ہیں اگر ان پر چلیں تو یہ ایک

بندے کی بھی پوری نہیں ہوسکتیں۔ پوری کائنات اس میں نہیں سما سکتی۔ وہ کہے گا کہ ساری دنیا اِدھر اُدھر ہو جائے، بس میں ہی بادشاہ ہوں۔ خواہش کی کیا بات ہے۔! کہے گا کہ ساری دنیا کی حسین عورتیں میرے قبضے میں ہوں۔ وہ تو شاید جو کچھ اس میں ہے وہ ایک بندے کی بھی خواہش کو پورا نہ کر سکے۔ اس کی Justification کے لئے، وہ نظام عدل جو ہے اس کو رکھنے کے لئے، کائنات کی فلاح اور بقاء کے لئے Rules of justice دیے جاتے ہیں کہ آپ نے ایسے ایسے چلنا ہے۔ بلکہ اسلام تو کہتا ہے کہ کماؤ بھی تو اس میں سے خرچ کرو۔ نماز پڑھو اور کمائی ہوئی دولت میں سے غریبوں کو دیتے رہو، اور اللہ کے حکم پر چلو۔ یہی فلاح ہے، سیدھا راستہ ہے۔

دو ہی چیزیں ہیں۔ اگر اس میں راستہ سوجھتا ہے تو یہ کرنا ہے آپ کو۔ یہ کوٹھیاں اور کاریں، یہ اور وہ۔ جنکے پاس ہیں لیکن رات کو نیند نہیں آتی تو وہ گولیوں پر لگ گئے ہیں۔ Sleeping pills کھاتے ہیں، تب نیند آتی ہے۔ سارے یورپ میں یہی حال ہے۔ پیسہ بے بہا ہے۔ ہر کمرے میں ٹی وی لگا ہے۔ چار چار، پانچ پانچ کاریں کھڑی ہیں لیکن سکون نہیں ہے۔ راتوں کو کلب میں ڈانس کرتے ہیں، جوا کھیلتے ہیں کہ شاید اسی سے تھک ٹوٹ کر نیند آجائے لیکن وہ نیند والی صحیح بات بنتی نہیں ہے۔ روح کی جو غذا ہے وہ اللہ کا ذکر ہے۔ اس کی طرف جب تک نہیں آتے یہ عارضی طور پر ہے کہ یہ دھمال ڈالی، اور تھوڑا چکر دماغ کو آتا ہے، اس کو تھوڑا سکون عارضی طور پر مل جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ یہ ہے! لیکن وہ اصل نہیں ہوتا۔

جب اس کو احساس ہو جائے کہ یہ سکون کا راستہ نہیں ہے۔ Peace کا راستہ تو انسانیت کی محبت اور خدا کی محبت ہے۔ کمائے ہوئے مال سے انسانیت کی خدمت کرے، یہ خوش ہو جائیں۔ دنیا میں جو انسانیت کے دکھ ہیں وہ کم ہو جائیں۔ اس میں وہ Peace ہے تو پھر وہ نفس 'لوامہ' بن جاتا ہے۔ لوامہ یعنی ملامت کرنے والا۔ وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے کہ میں نے غلط راستہ اختیار کیا۔ اس وقت اسے پچھتاوا ہونے لگ جاتا ہے کہ میں ایک دم دنیا کے پیچھے بھاگ گیا اور اللہ بھی کہتا ہے کہ: قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۔ (الکھف آیت: ۱۰۳)

''بتائیں آپ کو کہ سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے والے کون ہیں؟

الَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا . (سورۃ الکہف ۱۸۔آیت ۱۰۴)

''وہ لوگ جن کی ساری تگ و دو دنیا میں صرف ہوگئی، وہ سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے والے ہیں''۔

وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعاً. اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ .

(سورۃ الکہف ۱۸۔آیت ۱۰۴۔۱۰۵)

اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہم بہت اعلیٰ معیار پہ چل رہے ہیں۔ اتنی دولت اور یہ ہمارا نام ہے دنیا میں۔ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو جو کہ اس نے ہمیں بتائیں، ان کو جھٹلایا۔ جیسا کہ اس نے تمہیں پیدا کیا، رزق دیا، تم اس کے سامنے سر جھکاؤ! تو نہیں جھکایا۔ دوسری بات یہ بتائی کہ اس سے ملاقات ہونی ہے تو اس کو بھی نہیں مانا۔

كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ . (سورۃ الکہف ۱۸۔آیت:۱۰۵)

جو کچھ بھی انہوں نے کیا وہ سب ضائع چلا جائے گا۔ مادّہ ہی بنایا، مادّہ دنیا میں فنا ہو جائے گا۔ محلات بنائے، کاریں کھڑی کیں، سب فنا ہو جائے گا، ان میں کوئی کام نہیں آئے گا۔ اللہ کہتا ہے کہ وہ راکھ کی مانند ہو جائے گا کہ ہوا چلی، سب اڑ جائے گا۔ وہ خرافات ہیں۔

تو اس کو یہ احساس پیدا ہو جائے گا کہ میں نے یہ غلط راستہ اختیار کیا۔ دنیا کے پیچھے پڑا اور ساری کوششیں اسی میں صرف کر دیں۔ اللہ کہتا ہے کہ

فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْناً. (سورۃ الکہف ۱۸۔آیت: ۱۰۵)

''ہم ان کے لئے قیامت کے دن میزان بھی قائم نہیں کریں گے''۔ ان کا وہ حساب تو One sided ہوگا۔ آخرت کا پہلو ان کی زندگی میں تھا ہی نہیں۔ وہ یک طرفے ہو گئے۔ ان کیلئے میزان کیا کرنا ہے۔ میزان تو ان کے لئے ہوگا جو ایمان بھی لائے لیکن کام بھلے برے Mix تھے۔ انہیں تولا جائے گا کہ کون سا پلڑا زیادہ ہے۔ جدھر بھی رزلٹ نکلا، اُدھر بھیج دیا جائے گا۔

(جاری ہے)

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی یاد میں

(مرکز تعمیر ملت)

اللہ تعالیٰ بہت مہربان اور رحیم و کریم ہیں اور انسان کے لیے اللہ کی محبت و شفقت کی کوئی انتہا نہیں اور یہ اسی محبت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ انسان گمراہی و ضلالت کے راستے پر چلتا ہوا جہنم میں چلا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ تو چاہتے ہیں کہ انسان اللہ کی رضا اور انعامات کا حقدار ٹھہرے۔ اسی لیے جب بھی انسان صراط مستقیم چھوڑ کر شیطان کے راستہ پر چلا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ہدایت کا سامان فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر سلسلہ نبوت ختم فرما دیا اور قیامت تک آنے والے انسانوں کے آپ ﷺ ہی نبی ٹھہرے۔ لیکن آپ ﷺ کے بعد انسانیت کی رہنمائی کا فریضہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی اُمت کے ذمہ لگایا۔ یہی لوگ انبیاء کے حقیقی وارث ہیں جنہوں نے اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچایا اور تاریخ شاہد ہے کہ اللہ کے ان برگزیدہ اور مخلص و مقرب بارگاہ بزرگوں نے انسانیت کی بے پناہ خدمات سرانجام دی ہیں۔ کرۂ ارض کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ان باکردار و بااخلاق لوگوں نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔

انہی نفوس قدسیہ میں ایک نام خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ آپ بیسویں صدی کے عظیم المرتبت بزرگ اور ولی اللہ ہیں۔ جنہوں نے ایک طرف اسلامی تصوف کو غیر اسلامی عقائد و رسوم سے پاک فرما کر خالص اسلامی تصوف موجودہ دور کے انسان کے سامنے پیش کیا تو دوسری طرف تصوف کے مقصد و مدعا کو بھی واضح فرما دیا۔ فی زمانہ تصوف میں پیر پرستی، قبر پرستی اور شخصیت پرستی اس قدر بڑھ چکی ہے کہ اللہ کے ساتھ سب سے بڑھ کر تعلق و پیار جو اسلام کی بنیادی تعلیم ہے، ختم ہو کر رہ گیا ہے۔

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے مختصر حالات زندگی:

آپؒ کا نام گرامی "عبدالحکیم" ہے۔ تصوف سے نسبت کی وجہ سے نام کے شروع میں "خواجہ" لگایا جاتا ہے۔

خاندان:

آپؒ کے آباؤاجداد کا تعلق پانی پت والے انصاری خاندان سے تھا جن کا سلسلۂ نسب مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت ابوایوب انصاریؓ سے ملتا ہے۔

پیدائش: آپؒ ۲۹ جولائی ۱۸۹۲ء کو جوار دہلی کے شہر فرید آباد میں پیدا ہوئے۔

خاندانی حالات:

آپؒ کے والد ماجد کا اسم گرامی عبدالرحیم تھا، جو حافظ قرآن تھے۔ والدہ ماجدہ سیدہ امۃ العائشہ سادات خاندان کی نہایت پارسا اور نیک اطوار خاتون تھیں۔ آپؒ کے دادا مولانا عبدالعزیزؒ اپنے وقت کے ایک جید عالم، کامل صوفی، ولی اللہ اور مردِ خود آگاہ تھے۔ مولانا عبدالعزیزؒ ایک تعلیم یافتہ اور وسیع النظر بزرگ تھے۔ جو کافی عرصہ تک لکھنؤ میں سینئر سب جج کے عہدے پر فائز رہے۔

تصوف کی طرف رجحان:

آپؒ کی ابتدائی تربیت میں آپؒ کے دادا مولانا عبدالعزیزؒ کی صحبت کارفرما تھی۔ آپؒ کا بچپن اپنے دادا مولانا عبدالعزیزؒ کی گودِ شفقت میں گزرا۔ جن کے فیضِ صحبت سے آپؒ تصوف کی طرف مائل ہوئے اور آپؒ کو فقراء سے محبت و موانست نصیب ہوئی۔ آپؒ پیدائشی ولی اللہ تھے آپؒ سے بچپن میں ہی کرامات کا ظہور ہونے لگا مگر آپؒ نے کرامات کو خاطر خواہ اہمیت کبھی نہ دی

مولانا عبدالعزیزؒ کے ذاتی کتب خانہ سے دینی و دنیاوی کتب کا مطالعہ کر کے نہ صرف دینی و دنیاوی علوم پر دسترس حاصل کی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تصوف اور صوفیاء کے بارے میں جاننے کا بھی موقع ملا۔ آپؒ ابھی دس برس کے تھے کہ آپؒ کے دادا مولانا عبدالعزیزؒ ۱۹۰۲ء میں انتقال فرما گئے۔ مولانا عبدالعزیزؒ کا تو انتقال ہو گیا مگر ان کی صحبت کے اثرات سے آپؒ کی تربیت مضبوط بنیادوں پر استوار ہوئی۔ لڑکپن سے ہی آپؒ نے مرشد کی تلاش شروع کر دی۔ کئی درویشوں، بزرگوں، فقیروں، ملنگوں کے پاس گئے۔ بڑے بڑے درباروں، آستانوں اور درگاہوں کی طرف گئے، طرح طرح کی دنیا اور اس کے رنگ ڈھنگ دیکھے مگر کسی جگہ بھی دل مطمئن نہ ہوا۔

مقصودِ حیات:

آپؒ کا مطمعٔ نظر آپ کے بقول:

"ایسے بزرگ کی تلاش تھی جو صاحبِ علم، صاحبِ عرفان اور صاحبِ تحقیق ہو، کشف و کرامات دکھانے والے تو بہت مل جاتے ہیں لیکن عارف اور محقق کہاں نظر آتے ہیں۔"

آپؒ کا مقصدِ حیات "رویت باری تعالیٰ کا حصول تھا"۔

تلاشِ مرشد:

باقاعدہ سلوک طے کرنے کے لیے آپؒ مرشد کی تلاش میں سرگرداں رہے، آخر کار آٹھ سال کی تلاش و جستجو کے بعد وہ وقت آیا جب اچانک آپؒ کی ملاقات مولانا کریم الدین احمدؒ سے ہو گئی۔ مولانا کریم الدین احمدؒ میں وہ تمام خوبیاں کماحقہٗ موجود تھیں جن کے حامل بزرگ کی آپؒ کو عرصہ دراز سے تلاش تھی۔ آپؒ پہلی نشست میں چھ گھنٹے تک مولانا کی خدمت میں حاضر رہے اور بیعت ہو گئے۔

سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ سے نسبت:

مولانا کریم الدین احمدؒ کے دست شفقت پر ۱۹۱۱ء میں سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کے وقت آپؒ کی عمر اٹھارہ سال تھی اور نویں جماعت کے طالب علم تھے۔

مولانا کریم الدین احمدؒ نے آپؒ کو چوبیس گھنٹے پاس انفاس، اور روزانہ پانچ ہزار مرتبہ نفی اثبات کرنے کو کہا۔ سلسلہ نقشبندیہ میں رائج طریقہ ذکر نفی اثبات کے برعکس مولانا کریم الدین احمدؒ نے آپ کو ذکر نفی اثبات بالجہر کے طریقہ پر کرنے کو کہا۔ آپؒ نے بڑی جانفشانی اور جوش و خروش سے تین برس متواتر اپنے اوراد جاری رکھے۔ مولانا کریم الدین احمدؒ کے بتائے گئے ان اوراد واذکار کو پورا کرنے کی کوشش میں راتیں گزرتی تھیں۔ اس کی وجہ سے آپؒ دو مرتبہ میٹرک میں فیل ہو گئے۔ اسی دوران اللہ کے فضل و کرم سے آپ کے تین لطیفے، قلب، روح اور سر روشن ہو گئے اور ان کے دوائر کی سیر بھی میسر آ گئی۔ جس پر مولانا کریم الدین احمدؒ نے تحریری طور پر آپؒ کو خلافت سے نوازا اور بیعت کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔

سلسلہ چشتیہ سے نسبت:

مولانا کریم الدین احمدؒ کی وفات کے بعد آپؒ نے سلسلہ چشتیہ میں مراد آباد کے رہنے والے ایک بزرگ سید محمد قاسم علی کلیمیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپؒ نے پانچ چھ سال میں ہی چشتیہ سلوک طے کر لیا۔ آپؒ کم و بیش دس سال کے عرصہ میں صرف دو مرتبہ اپنے مرشد (محمد قاسم کلیمیؒ) سے ملے۔ آپؒ مزاجاً مرشد کی زیارت کی نسبت ان کی بتائی گئی تعلیم پر پورے جوش سے عمل کرنے کے قائل تھے۔ آپؒ پیر سے عقیدت کے ساتھ ساتھ محبت کو بھی ضروری خیال کرتے تھے۔

اویسیہ نسبت:

آپؒ سلسلہ نقشبندیہ اور سلسلہ چشتیہ کا روحانی سلوک طے کر چکے تھے مگر مقصودِ حیات یعنی ''رویت باری تعالیٰ کا حصول'' تا حال ایک خواہش کی صورت میں موجود تھا۔ مزید کہیں

بیعت تو نہ ہوئے مگر سلسلہ قادریہ اور دیگر سلاسل کے سلوک کا بغور مطالعہ کیا۔ تمام تر مطالعہ میں کہیں بھی رویت باری تعالیٰ کے حصول کا ذکر تک نہ پایا۔ مولانا کریم الدین احمدؒ نے پہلی ملاقات میں ہی ایک دوست کے ذریعے رویتِ باری تعالیٰ کے حصول کی پیشین گوئی کی تھی۔ اس دوست کے انتظار میں آپؒ لطیفہ غیبی کے منتظر رہے۔ آخر کار اکتوبر ۱۹۴۸ء میں رسالدار محمد حنیف خاںؒ سے ملاقات ہوگئی۔ یہ وہی بزرگ تھے جن کا نام آپؒ کے دادا مولانا عبدالعزیزؒ نے خواب میں آکر آپؒ کو بتایا تھا اور جن کے بارے میں مولانا کریم الدین احمدؒ نے بشارت دی تھی کہ:

''میرے مرنے کے بعد تمہیں ایک دوست ملے گا جس کے پاس تمہارا حصہ ہے، اس کی تعلیم اور صحبت سے تمہارے اندر وہ صلاحیتیں پیدا ہو جائیں گی جو جیتے جی اللہ کا دیدار حاصل کرنے کے لیے لازمی ہوتی ہیں۔''

رسالدار محمد حنیف خاںؒ سے دوستی:

آپؒ کی رسالدار محمد حنیف خاںؒ سے دوستی کا سفر کم و بیش انیس (۱۹) سال پر محیط ہے۔ آپؒ کا تعلق رسالدار محمد حنیف خاںؒ سے چھوٹے بھائی کا سا تھا۔

آپؒ کو رسالدار محمد حنیف خاںؒ نے کوئی ذکر اذکار وغیرہ نہ بتائے۔ ان کا تعلق صرف دوستی اور صحبت کا رہا۔ وقت کے ساتھ ساتھ کئی سال بعد آپؒ نے اپنے پرانے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ والے معمولات جو مولانا کریم الدین احمدؒ نے بتائے تھے وہ دوبارہ شروع کر دیے۔ رسالدار محمد حنیف خاںؒ دہلی آئے تو آپؒ کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور فرمایا:

''ماشاءاللہ! اب تو خوب رنگ چڑھا ہوا ہے کیا پڑھتے ہو؟''

آپؒ نے جواب دیا کہ ''آپؒ تو کچھ پڑھنے کو بتاتے نہیں ہیں اس لیے میں نے اپنے پرانے سلسلہ نقشبندیہ والا ذکر ہی شروع کر دیا ہے۔''

رسالدار محمد حنیف خاںؒ نے کہا کہ: ''یہی ٹھیک ہے، یہی کرتے رہیں۔''

آپؒ نے ایک مرتبہ اپنے مریدین کو بتایا کہ ''جب رسالدار محمد حنیف خاںؒ تشریف لاتے تو رات کافی دیر تک احباب کے ساتھ نشست جمتی، چائے کے دور چلتے اور خوب گپ شپ ہوتی۔ ایک شب ایسی ہی ایک مجلس تھی کہ آپؒ نے پانی منگوایا، اس میں سے تھوڑا سا خود پیا اور گلاس والا ہاتھ آگے بڑھایا۔ نزدیک ہی ایک دوست ظہور الحسن بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے گلاس پکڑنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا تو رسالدار محمد حنیف خاںؒ نے انہیں ایک تھپڑ رسید کیا اور گلاس میری طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا کہ ''یہ اس کا حصہ ہے'' میں نے وہ چند گھونٹ پانی کے پی لیے۔ اللہ جانے اس ظالم نے اس میں کیا ملایا تھا کہ پانی پینے کے ساتھ ہی زن کی آواز آئی کہ جیسے میں نے پگھلا ہوا تانبا یا سیسہ پی لیا ہو۔ وہ پانی جہاں جہاں سے گزرا سب کچھ جلاتا ہوا گزرا۔ بس اس کے بعد تو پھر میری ترقی راکٹ کی سپیڈ سے ہوئی۔ اب تو جو کچھ بھی میرے پاس ہے یہ رسالدار صاحب کا دیا ہوا ہے۔ چونکہ انہوں نے مجھے بیعت نہیں کیا تھا اس لیے ہم اپنا شجرہ مولانا کریم الدین احمدؒ سے ملاتے ہیں کہ وہی ہمارے مرشد تھے۔''

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد:

آپؒ ۱۹۵۳ء میں اپنے مقصودِ حیات یعنی ''رویت باری تعالیٰ کے حصول'' سے ہمکنار ہوئے۔ آپؒ کو اپنا مقصودِ حیات مل گیا تو آپؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی ۱۹۵۳ء میں کراچی میں بنیاد رکھ کر اس فیض کو عام کیا۔

تصانیف:

آپؒ نے مروجہ پیری فقیری سے قطع نظر کر کے تصوف کی تجدید کی اور اسے قرآن و سنت کے عین مطابق بنانے کا عظیم کام سرانجام دیا۔ آپؒ نے حضور نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق تصوف کی تعلیم کو نئے سرے سے مدون فرمایا۔ اسے عصرِ حاضر کے تقاضوں

کے مطابق قابلِ عمل بنا کر باقاعدہ طور پر سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد رکھی۔ آپؒ نے اپنے بنوں قیام کے دوران ہی اپنی پہلی شہرہ آفاق تصنیف بعنوان "تعمیر ملت" ۱۹۵۷ء میں مرتب کی۔ بنوں میں ہی آپؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے ذکر اذکار، قواعد وضوابط اور آداب کو اپنی کتاب "طریقت توحیدیہ" میں قلمبند کردیا۔ "طریقت توحیدیہ" پہلی مرتبہ ۱۹۶۲ء میں نوشہرہ ورکاں میں ہونے والے سالانہ اجتماع میں منظر عام پر آئی۔

"**طریقت توحیدیہ**" سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے وابستہ حضرات کے لیے دوٹوک الفاظ میں لکھا جانے والا ہدایت نامہ ہے جو سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے منشور اور آئین کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے تنظیمی اور عملی سلوک کے ہر پہلو کا مکمل احاطہ کرتے ہوئے ایک ضابطہ مقرر کرتی ہے۔ جس پر عمل کرنا سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے وابستہ ہر فرد پر لازم ہے۔

آپؒ نے اپنی کتاب "حقیقت وحدت الوجود" اس وقت لکھی جب آپ گلبرگ لاہور میں رہائش پذیر تھے۔ آپؒ کے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات میں ارشاد فرمائے گئے خطبات کا مجموعہ "**چراغ راہ**" کے نام سے شائع ہوا، جو سالکان راہ خدا کے لیے رہنما کتاب ثابت ہوئی ہے۔

آخری دور:

عمر کے آخری حصہ میں آپؒ کی سماعت کافی متاثر ہوگئی۔ ذرا اونچا سنتے تھے۔ جسمانی اور ذہنی کمزوری بھی ہوگئی۔ آپؒ کے کولہے کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی۔ آپؒ میو ہسپتال لاہور میں داخل ہوئے، یہاں مریدین سلسلہ عالیہ توحیدیہ ڈیوٹی دیتے تھے۔

آپؒ کے کولہے کی ہڈی کا جوڑ برطانیہ سے منگوایا گیا مگر تکلیف رہتی تھی۔ زخم میں پَس پڑ جاتی جسے نکالنے کے لیے ڈاکٹر آتا۔ آپؒ ایک سائیڈ پر بیٹھ جاتے، ڈاکٹر پَس وغیرہ دبا کر نکالتا اور قینچی وغیرہ سے صاف کرتا جس کے بعد آپ سیدھے ہو کر بیٹھ جاتے۔ ڈاکٹر آپ کے

کمال درجہ صبر اور برداشت پر حیران رہتا۔

وفات:

رات بارہ بجے جب دسمبر کی ۳۱ تاریخ بدل کر یکم جنوری ۱۹۷۷ء شروع ہوا تو اس وقت محمد صدیق ڈار صاحب آپؒ کے پاؤں کے تلووں کی مالش کر رہے تھے۔انہوں نے آپؒ کو بتایا کہ: ''نیا سال لگا ہے!''

آپؒ نے دریافت فرمایا کہ ''کون سا ہے؟''

''۱۹۷۵ ہے؟'' جواب ملا کہ: ''نہیں ۱۹۷۷ ہے۔''

آپؒ نے دوبارہ پوچھا کہ: ''۱۹۷۶ ہے؟''

محمد صدیق ڈار صاحب نے دوبارہ بتایا کہ ''۱۹۷۷ ہے'' اور انگلی سے لکھا کہ ۷۷ ہے۔

محمد صدیق ڈارؒ نے کہا کہ

''دعا کریں سب کے لیے''

حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے کہا کہ

''کسی نے کہا تھا کہ آپ کی عمر تراسی (۸۳) سال ہوگی، میری عمر تراسی سال تو ہو گئی ہے۔ میں نے ایک قبر دیکھی تھی، اسی وقت سے بیمار ہوں۔یہیں تھی، میں نے دیکھی، اس کے اندر چلا گیا، بڑی Decorated تھی۔''

محمد صدیق ڈار صاحبؒ نے کہا: ''باباجی! آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔''

آپؒ نے فرمایا کہ:

''فقیر کا پردہ نہیں رہا یہ اچھی بات نہیں ہے۔جانا ہی چاہیے۔ذرا خاموشی کے بعد پھر فرمایا: بکواس کرتے ہیں سب۔اپنے مزے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔خدا کی قسم! میں نے کوئی چیز چھپا کر نہیں رکھی۔سب کچھ بتا دیا ہے بلکہ لکھ دیا ہے، اب مجھے رکھ کر کیا کرو گے۔

آپؒ نے ۲۳ جنوری ۱۹۷۷ء کو ظہر سے پہلے وفات پائی۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیۡہِ رَاجِعون)

تجہیز و تکفین:

آپؒ کو ۲۳ جنوری ۱۹۷۷ء کو رات کے وقت غسل دیا گیا۔ مولوی محمد یعقوب صاحب اور میاں مختار صاحب غسل دینے والے تھے۔ مولوی امین صاحب ہدایات دیتے اور یہ دونوں حضرات غسل دیتے۔ نماز جنازہ اگلے دن ظہر کے بعد ادا کی گئی۔ نماز جنازہ سے پہلے بہت بارش ہوئی جب آپؒ کو دفن کیا جا رہا تھا اس وقت بھی ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔

اللہ تعالیٰ آپؒ پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور آپؒ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تعلیمات تصوف کی تجدید فرمائی۔ آپؒ نے وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے جو آپؒ سے قبل تصوف کی تاریخ میں کہیں نظر نہیں آتے۔ تصوف اسلامی تو انسان کو اللہ کے پیارے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اور آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کو اپناتے ہوئے اللہ کا مقرب بندہ بننے کا درس دیتا ہے۔

آپؒ کی تصانیف تعمیرِ ملت، چراغِ راہ، حقیقتِ وحدت الوجود اور طریقتِ توحیدیہ آپؒ کی زندگی کا نچوڑ اور تعلیمات تصوف کا شاہکار ہیں۔ ذیل میں مختصراً مجددانہ کاوشوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

۱) روحانی سلوک

آپؒ فرماتے ہیں کہ "دوسرے سلسلوں کی معراج اور آخری منزل کشف و کرامات کا حصول ہے لیکن ہمارے سلسلے میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہمارے سلسلے کا آخری مقصد اللہ کا قرب و عرفان اور لقاء کا حصول ہے"

۲) تحریری نصابِ تصوف:

آپؒ نے اپنے طریقۂ تصوف کے لیے ایک سہل البیان اور قابلِ عمل طریقہ کار وضع کیا جسے تحریری صورت میں مکمل طور پر اپنی انتہائی مختصر کتاب "طریقتِ توحیدیہ" میں محفوظ کر دیا۔

۳) انکشافاتِ حقیقت وحدت الوجود:

۴) اصلاحاتِ تصوف سے گریز

۵) وراثتی گدی نشینی کا تدارک:

سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں جانشین کے تعین کے لیے آپؒ نے ایک ایسا لائحۂ عمل وضع کر دیا ہے کہ جس میں شیخ سلسلہ کا منصب کسی طرح بھی وراثتی گدی نہیں بن سکتا۔ آپؒ نے جانشینی کے لیے یہ ہدایت تحریر فرمائی کہ

"شیخ کو چاہیے کہ اپنے کسی قریبی رشتہ دار مثلاً بیٹے، بھتیجے، بھانجے یا پوتے، نواسے وغیرہ کو جانشین ہرگز نہ بنائے۔ خواہ وہ اس کا اہل ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ ایسا کرنے سے حلقہ ایک وراثتی گدی نہ بننے پائے گا۔"

۶) جاہلانہ رسوم کا خاتمہ
۷) نفس کشی سے نجات
۸) نذرانوں سے اجتناب
۹) رہبانیت سے نجات
۱۰) زندہ معاشی تحریک
۱۱) اتحادِ امت
۱۲) جہاں بانی و جہاں گیری

شیخ سلسلہ بابا جان محمد یعقوب صاحب کا سالانہ دورہ ملتان

(محمد فیصل خان)

صدیوں سے تصوف کے مختلف سلاسل امت محمدیؐ کے لیے مینار نور بن کر رُشد و ہدایت کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب دیگر سلاسل دعوت کا کام کر رہے ہیں تو قبلہ انصاری صاحب نے سلسلہ توحیدیہ کی بنیاد کیوں رکھی ؟
سلسلہ توحیدیہ کے قیام کا مقصد کشف و کرامات دکھانا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور عرفان کا حصول ہے۔اس کے ساتھ ساتھ روحانی قوت کا حصول اور پھر سب سے اہم بات مخلوق خدا کی اصلاح ہے۔
قبلہ انصاری صاحب نے تصوف کو تمام عجمی آلائشوں سے پاک کر کے عین شریعت محمدیؐ کے مطابق وضع کر دیا ہے۔
سلسلہ توحیدیہ میں شیخ سلسلہ سے لیکر تمام مریدین کی یہ اولین ذمہ داری ہے کہ وہ اس ظلمت کے دور میں توحید کی شمع روشن کریں۔خود بھی سیدھے راستے پر چلیں اور دوسرے مسلمانوں کو بھی سیدھا راستہ دکھائیں۔اسی سلسلہ میں شیخ سلسلہ جناب قبلہ محمد یعقوب صاحب 16 نومبر کو ملتان تشریف لائے۔آپ نے تقریباً ایک ہفتہ ملتان اور شجاع آباد میں گزارا۔کئی نئے لوگوں تک اللہ اور رسول اللہؐ کا پیغام پہنچایا۔ملتان میں دو نئے بھائی باباجی سے بیعت ہوئے۔طبیعت علیل ہونے کے باوجود آپ نے بڑی محبت بانٹی اور بھائیوں کا ایمان تازہ کیا۔آپ نے مختلف نشستوں میں جو گفتگو فرمائی اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔
"تمام بھائیوں کو طریقت توحیدیہ کا مطالعہ اچھی طرح سمجھ کر کرنا چاہیے۔یہ ہمارا آئین ہے

یہ کتاب بتاتی ہے کہ اللہ تک پہنچنے کے لئے ہم نے کیا کرنا ہے۔سارا کچھ اس میں درج ہے۔ ذکر کا طریقہ، مجاہدہ اور تمام ضروری باتیں اس میں درج ہیں۔

سلسلہ میں آنے سے پہلے اچھا مسلمان ہونا ضروری ہے اچھا مسلمان وہ ہے جو پانچ وقت کی نماز پابندی سے پڑھتا ہو، سال میں ایک ماہ روزے رکھتا ہو، اگر صاحب نصاب ہے تو زندگی میں ایک دفعہ حج کرنا فرض ہے مخلوق خدا کو تنگ نہیں کرنا اور گناہ کبیرہ جو بھی ہیں ان سے بچنا ہے۔ ہر ایسی چیز جس سے دوسرے مسلمان کو تکلیف ہو اس کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے۔غیبت، وعدہ خلافی، جھوٹ بولنا، دھوکا دینا فواحش وغیرہ گناہ کبیرہ ہیں بالکل نہیں کرنے اور جو نہیں کرتا وہی مومن ہے۔ اچھا مسلمان ہونے سے انسان جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ پہلے اچھا مسلمان بننا پڑتا ہے ۔جیسے مڈل کرنے کے لئے پہلے پرائمری پاس کرنی پڑتی ہے ۔شرح کی پابندی ضروری ہے حضورؐ نے تمام زندگی شریعت کی پابندی کی ہے۔ ہم نے بھی ان کے قدموں پر قدم رکھنے کے لئے یہ سلسلہ قائم کیا ہے ۔یہ سب اللہ سے ملنے کی تیاری ہے۔

ایک اور ضروری بات اخلاق حسنہ ہے۔حضور اقدسؐ فرماتے ہیں کہ مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہے ۔جب تک ہمارے اخلاق حضور اقدسؐ کے اخلاق کے تابع نہیں ہونگے ہم اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہلا سکتے۔فقیر بننا تو بہت بڑی بات ہے۔ اخلاق کیا ہے کہ غصہ نہیں کرنا ،غلطیوں سے درگزر کرنا ہے، قصور معاف کرنے ہیں۔آپؐ نے گالیاں کھا کر دُعائیں دی ہیں ۔یہ کرنا ہے۔کسی کو تکلیف یا رنج نہیں پہنچانا ،سب کے لئے مفید اور مددگار بننا ہے۔نفرت کسی سے نہیں کرنی۔نفرت کرنے والا اللہ اللہ کرہی نہیں سکتا۔اس کے دل میں ہر وقت نفرت بھری ہوتی ہے۔

وہ کہاں کسی سے پیار کرے گا یا اللہ اللہ کرے گا۔نفرت انسان سے ہوتی ہے جو اللہ کی مخلوق ہے، آپ دعویٰ کرتے ہو کہ اللہ میرا یار ہے اور اس کی مخلوق سے نفرت کرتے ہو تو کیا آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں یا جھوٹے ہیں۔غصہ اور نفرت ہمارے دشمن ہیں۔غصہ نہ کرنے کی مشق

گھر سے شروع ہوتی ہے۔باہر تو دوسروں کے ڈر سے غصہ نہیں کیا جا سکتا۔گھر کے اندر بیوی اور بچے ہیں آپ وہاں جو چاہیں کر سکتے ہیں تو وہاں آپ نے بیوی کا حکم ماننا ہے۔اس کو کہہ دیں جو آپ کہیں گی میں کروں گا۔اس طرح آپ کا غصہ کنٹرول ہو جائے گا۔غصہ طبعی جذبہ ہے ختم نہیں ہوتا لیکن اس حد تک کنٹرول ہوسکتا ہے کہ آپ جتنا جہاں چاہیں جن پر چاہیں کریں۔یہ کرنا بہت ضروری ہے۔

دوسری بات عالمگیر محبت کرنی ہے سب سے پیار کرنا ہے۔جس کو پیار ہوتا ہے وہ ہر وقت دوسروں کی مدد اور خدمت کے لئے تیار ہوتا ہے۔سخی بن جاتا ہے۔یہ خوبیاں محبت کی وجہ سے آتی ہیں۔ہمیشہ سچ کہیں گے اور سچ کریں گے۔سچی بات کہیں گے اور سچا کام کریں گے۔ اللہ سچا ہے اور اللہ کو سچ سے محبت ہے، سچے سے محبت ہے۔تو آپ سب سچ کہیں گے اور سچ کریں گے لیکن جہاں محبت اور صداقت کا مقابلہ آن پڑا تو آپ صداقت کا ساتھ دیں گے۔تو ہمارے جس آدمی نے ان چار باتوں یعنی غصہ اور نفرت چھوڑنا اور محبت اور صداقت کو اپنانا شروع کر دیا تو اس کی بنیاد اس راستہ پر بن جائے گی جو اللہ سے ملاتا ہے آپ لوگوں کا ہر قدم اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق اُٹھے آپ کی ہر بات اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بولی جائے تو یہ سب اخلاق کے دائرے میں آتی ہیں۔اخلاق ساری زندگی پر محیط ہے لیکن اس کی بنیاد اوپر بتائی گئی چار باتوں پر ہے۔ اگر ان پر عمل کر لیا تو آپ نے بنیاد رکھ لی آگے پھر چلتے رہیں گے۔بس اتنی سی ہماری تعلیم ہے۔ کوئی زیادہ لمبی چوڑی نہیں۔ان باتوں پر عمل کرنے سے آپ کے اندر اتنی انکساری آ ہی جائے گی کہ آپ دوسروں کو برداشت کر سکیں۔قرآن میں مومنین کی نشانیاں ایک جگہ بائیس (22) دوسری جگہ چودہ (14) ہیں اور ایک جگہ سات (7) ہیں اور ہر دفعہ میں لفظ صبر مشترکہ ہے یعنی برداشت کرنا ہے غصہ نہیں کرنا۔اپنے اندر ضبط پیدا کریں۔قرآن میں حکم بھی ہے کہ نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو۔یہ ہماری تعلیم کا نچوڑ ہے۔اگر کسی نے سلسلہ توحیدیہ کو جوائن کرنا ہے تو پہلے یہ کتاب طریقت توحیدیہ پڑھ لے اور اگر قسمت میں ہوا تو ہمارے بھائی بن جائیں گے اور اگر

نہ بھی لکھا ہوا تو اللہ آپ سب کو خوش رکھے اور آباد رکھے گا۔

ذکر کریں تو مجسم ذکر ہو جائیں ۔آپ کے اندر باہر اللہ ہی ہو۔درود شریف پڑھیں تو اس طرح کہ آپ ﷺ مسکرا رہے ہیں اور آپ کے درود کا جواب دے رہے ہیں مطلب یہ کہ آپ کے ہر عمل سے پیار جھلکنا چاہیے ۔آپ نے اللہ سے پیار کیا ہے پھر بات بنتی ہے۔ اللہ میاں بھی آپ سے پیار کرتا ہے اللہ بڑا غیور ہے۔آپ ایک قدم اُٹھائیں وہ دس قدم اُٹھاتا ہے ۔ایسے چھوڑنے والا بھی نہیں، اپنا لیتا ہے تو پھر اپنا لیتا ہے۔پھر خود کہتا ہے کہ اس کی آنکھ میری آنکھ بن جاتی ہے، اس کے کان میرے کان بن جاتے ہیں اس کی زبان میری زبان بن جاتی ہے، اس کے پاؤں میرے پاؤں اور اس کے ہاتھ میرے ہاتھ بن جاتے ہیں، لیکن اس مقام پر پہنچنے سے پہلے ان تمام مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔واپسی کا راستہ بند ہے۔قبلہ انصاری صاحب نے ایک دفعہ اللہ میاں سے کہا کہ وہ چیز دکھائیں جو کسی بزرگ نے نہیں دیکھی، (پورا واقعہ کتاب میں لکھا ہے) پھر اللہ میاں نے دکھائی ، اللہ میاں باتیں کرتے تھے قبلہ انصاری صاحب سے۔ سب پیار ہی پیار ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

اللہ کی یاد ہر چیز پر غالب آجاتی ہے۔آپ لوگوں پر بھی دن میں کوئی نہ کوئی ساعت تو ایسی آہی جاتی ہے جس میں اللہ کے سوا سب بھول جاتے ہیں۔ آہستہ آہستہ یہ وقت بڑھتا جاتا ہے دل میں پیار کا جذبہ ہونا چاہیے ۔خالق سے مخلوق سے ۔آپس میں ایک دوسرے سے پیار کرو۔ اللہ میاں بڑے با اصول دوست ہیں ۔نہ خود بے اصول ہیں اور نہ ہی بے اصولوں کو پسند کرتے ہیں سمجھانے کے لیے تو رسول اقدسؐ کے بارے میں بھی نہیں رکے۔سورہ کہف میں ذکر ہے جب آپؐ سے سوال کئے گئے تو آپؐ نے فرمایا کہ کل بتاؤنگا اور انشاء اللہ نہیں کہا تو وحی آنا بند ہوگئی۔

چند دن بعد وحی آئی تو پہلی بات یہی کہی کہ آئندہ انشا ءاللہ کے بغیر کل کے بارے میں بات نہیں کہیں گے۔ پھر تفصیل بتا دی۔ یہ معمولی بات تو نہیں ہے۔ پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہے۔ اللہ میاں کی دوستی آسان بات نہیں یہ ہےتو مشکل کام۔اس لیئے کہا جاتا ہے کہ بیعت ہونے سے پہلے دس مرتبہ سوچو، اپنے آپ کو بیچنا اتنا آسان کام نہیں۔

بک گیا جو وہ خریدار بن نہیں سکتا

بِکا ہوا آدمی مالک کی مرضی کے بغیر دوسری بات کر ہی نہیں سکتا۔ نوکر اور غلام میں بہت فرق ہے۔ ڈرائیور ہےتو مالک اس کو ڈرائیونگ سے منسلک کام ہی کہہ سکتا ہے لیکن اگر غلام ہےتو مالک جس کام پر بھی لگائے تو اسے کرنا پڑتا ہے ہم غلام ہیں۔ ہمیں کوئی حق ہی نہیں ہے کہ اللہ میاں کی بات کے سامنے یہ کہہ سکیں کہ یہ نہیں یہ۔ غلام کا یہی کام ہوتا ہے مالک کی خدمت کرنا۔ اللہ میاں کے پیاروں کی خدمت کرنا۔ جیسا کہ اللہ میاں قرآن میں کہتے ہیں کہ جو اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ اسکی مدد کرتا ہے۔ اللہ کی مدد یہی کہ دوسروں کو نماز اور ذکر کی تلقین کرے۔ جو لوگ دوسروں کو دعوت دیتے ہیں

اللہ اللہ کرنا سکھاتے ہیں وہ اللہ کی مدد کرتے ہیں اللہ میاں پھر ان لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ انصاری صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جس نے ایک آدمی کو اللہ اللہ کرنے پر لگا دیا اس نے اپنی نجات کا ذریعہ بنالیا۔ سبحان اللہ کتنا بڑا کام ہے، خود تو اللہ اللہ کر رہا ہے۔ اور ایک ایسے آدمی کو جو اُلٹے راستے پر جا رہا ہے راہ راست پر لے آتا ہے۔ اللہ خوش ہو جاتا ہے کہ میرے بندے کو میرے قریب کر دیا تو اللہ اور آگے لے جاتا ہے۔ اللہ بدلہ دینے میں ذرا بھی دیر نہیں کرتا۔ دیتا ہے اور کھل کر دیتا ہے۔ ایک تو اس کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں، دوسرا کسی کے آگے جواب دہ نہیں تو وہ کیوں کنجوسی کرے۔ آپ لوگ جو کم عمر لوگ ہیں ان کی ڈیوٹی ہے کہ کم از کم ایک آدمی کو اللہ اللہ کرا کے حلقہ میں لے کر آئیں۔ یہ سب کام اللہ کی رضا کے لئے کریں۔ یہ آپ کی نجات کا ذریعہ بن جائے گا۔ یہ طے ہے کہ ہم سب نے واپس جانا ہے۔ یہ دارُالعمل ہے۔ اسکے عمل کی جزا اور

سزا ملے گی اس سے انکار مسلمان نہیں کرسکتا۔ چھوٹے سے چھوٹے نیک عمل کو اہمیت دیں اور اس فکر کے ساتھ نیک عمل کریں کہ میں نے اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے اور شرمندگی سے بچنا ہے۔ ایک دوسرے کے لئے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں وہاں شرمندگی سے بچائے۔ وہ وقت اتنا عجیب ہوگا کہ سرکار دو عالم ﷺ کہیں گے یہ میرا آدمی ہے حوض کوثر پر کھڑے ہوں گے فرشتے درمیان میں حائل ہو جائیں گے کہیں گے نہیں یہ آپ کا آدمی نہیں ہے۔ آپؐ فرمائیں گے یہ میرا اُمتی ہے فرشتے کہیں گے آپ کو نہیں پتہ انہوں نے آپ کے گزر جانے کے بعد کیا کچھ کیا ہے۔ یہ آپ کے آدمی نہیں ہیں حضورؐ پھر ان کو چھوڑ دیں گے۔ وہاں تو موت بھی نہیں ہوگی۔ پھر کیا کریں گے۔ اس لئے ان حالات سے بچنے کے لئے تیاری کریں۔ ایسے عمل کریں کہ فرشتے ویلکم کریں اور حضورؐ اقدس اپنے ہاتھوں سے پلائیں۔

اخلاق کی اصلاح مرتے دم تک کرنی ہے۔ ساری باتوں کو آہستہ آہستہ اللہ کی مرضی کے مطابق کرنا ہے۔ اس کے بعد ہم اس قابل ہونگے کہ اللہ ہمیں اپنی جھلک دکھا سکے۔ اخلاق معمولی چیز نہیں ہے۔ اخلاق کی تکمیل کے لئے اللہ نے اپنے آخری نبی محمد ﷺ کو بھیجا۔ آپ ﷺ نے خود فرمایا کہ مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔ عبادات سے اخلاق کا درجہ کہیں افضل ہے۔ انصاری صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بہت روحانیت حاصل کرلیتا ہے اور اخلاق صحیح نہیں ہے تو وہ ولی الرحمٰن نہیں ولی الشیطان بن سکتا ہے۔ ایک ایک غلطی کو نوٹ کرتے جائیں اور چھوڑتے جائیں اور ایسے چھوڑیں کہ دوبارہ اس کا نام بھی نہ لیں۔ اگر ہم بیعت نامہ کے مطابق غصہ ونفرت کی نفی اور محبت وصداقت کو اپنالیں تو ہم اعلیٰ اخلاق کی بنیاد مستحکم کرلیں گے۔ جس اخلاق کی ضرورت ہمیں اللہ تک پہنچنے کے لئے ہے اس کی بنیاد پڑ جائے گی۔ اور پھر باقی چیزیں آہستہ آہستہ ہوتی رہیں گی۔ صرف محبت کو اپنانے سے انسان کے اندر سو خوبیاں خود پیدا ہو جاتی ہیں مگر محبت کے ساتھ صداقت ضروری ہے ہمیشہ سچ کا ساتھ دینا ہے۔ آپ لوگوں نے اللہ سے پیار کیا ہے اور اللہ سچا ہے آپ لوگوں نے بیعت نامہ میں عہد کیا ہے کہ سب سے زیادہ پیار اللہ سے کرونگا

اور اسے بڑھاتا رہونگا۔تمام رشتوں سے زیادہ اللہ سے پیار کرتا ہے۔اللہ ہمیں سچائی پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے اور عالمگیر محبت عطاء فرمائے غصہ ہمارا جانی اور ایمانی دشمن ہے۔اس کو ہمیشہ کے لئے دفن کردیں اللہ مدد کرتا ہے۔آگے بھی کرتا رہے گا۔ارادے غیر متزلزل ہونے چاہئیں۔ ناکامی و کامیابی زندگی کا حصہ ہیں کسی ناکامی پر مایوس نہیں ہونا اور نہ نا امید ہونا ہے۔ہماری سوچ ہمیشہ مثبت ہونی چاہیے۔منفی سوچ بالکل نہیں ہونی چاہیے۔اللہ سے ہمیشہ بہتری کی امید رکھیں ساتھ ساتھ اپنی اصلاح کئے جائیں۔انشاءاللہ مثبت سوچ اللہ کے فضل و کرم سے اللہ کے قریب تر کردے گی۔بڑی عالیشان چیز ہے۔بس اپنا اعتماد برقرار رکھیں۔یہی خودی ہے۔اس طریقے سے سب کچھ حاصل ہوسکتا ہے ہر وقت پر اعتماد رہیں۔یہی سوچیں کہ جب ہمارے ساتھ اللہ ہے تو ہمیں خوف اور ڈر کی ضرورت نہیں۔اللہ سب سے طاقتور ہے۔ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہے تو پھر خوف یا مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس لئے ہمیں ہر وقت Confident رہنا چاہیے۔اللہ ہمارا ہے اور ہم اللہ کے ساتھ ہیں۔غزوہ احد میں ایک موقع پر کفار نے دور سے آواز دے کر کہا کہ حضور اقدس ﷺ ہیں تو آپ ﷺ نے کہا جواب مت دینا، پھر انہوں نے کہا کہ عمرؓ ہیں تو آپ ﷺ نے کہا جواب نہیں دینا پھر کسی اور کا پوچھا کہ وہ ہیں، جواب نہیں دیا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا ہُبل ہمارے ساتھ ہے ہم جیت گئے۔تو پھر آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ کہیں کہ اللہ کے فضل سے حضور ﷺ بھی ہیں، میں آپ سے مخاطب ہوں فلاں بھی ہے۔اللہ ہمارے ساتھ ہے۔تمہارے ساتھ کوئی نہیں ہے۔دفع ہو جاؤ تو دفع ہوگئے اللہ ہمارا مالک ہے اور ہمارے ساتھ ہے اللہ جب ہمارے ساتھ ہے تو ہمیں کسی کی فکر اور پرواہ نہیں ہونی چاہیے۔عزت وقار اور Due respect سب کو دینی ہے۔یہ جو توقع والی بات ہے جو بیعت نامہ میں ہے آپ نے اللہ کے علاوہ کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانے۔ سب سے بڑا دینے والا سب سے بڑا غنی وہ ہے۔اللہ سے ڈریں اور اسی سے توقع رکھیں۔

پاس انفاس:

پاس انفاس ایسا ذکر ہے کہ جس سے آپ کو اللہ کی یاد ہر وقت رہے گی شروع میں تھوڑی دقت ہوتی ہے۔لیکن تھوڑے ہی دن اگر آپ نے بیکار وقت اللہ کی یاد کو دے دیا تو کچھ ہی دنوں کے بعد پھر اللہ میاں آپ کو ہر وقت یاد رہے گا۔پھر اللہ خود آپ کو اپنا ذکر یاد کرائے گا۔جیسا کہ قرآن میں ہے کہ فاذکرونی اذکروکم (تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کرونگا) ایک شکاری کی طرح خالی وقت کی طاق میں رہیں۔خالی وقت کو ضائع مت کریں۔ پھر کام کے دوران بھی اللہ یاد رہے گا بزرگ لوگ کہتے ہیں دل بیار دست بکار۔انصاری صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرا تجربہ ہے کہ لمبا چوڑا نفی اثبات یا اور ذکر کرنے کی نسبت دل سے اللہ کو یاد کرنے سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔روحانی ترقی میں بہت اضافہ ہوتا ہے۔اسی طرح ایک ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنا ہے۔پڑھتے وقت حضور اقدس ﷺ کو سامنے رکھیں۔اس طرح پڑھیں کہ وہ سن رہے ہیں اور جواب دے رہے ہیں۔آپ کے پڑھنے میں اور دوسرے لوگوں کے پڑھنے میں اتنا فرق ہونا چاہیے۔

مخلوق کی اصلاح کے لئے اللہ نے اپنے معتبر انبیاء کو بھیجا۔اصلاح کا کام آپ لوگوں کے ذمے لگا ہے۔انصاری صاحب کی کتابیں پڑھیں تو پتہ لگتا ہے کہ آپ کو اس قوم کے زوال کا بڑا درد تھا۔آپ میں سے ہر ایک کا یہ فرض ہے کہ اس مشن کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں۔

شکوے سے پہلے شکر

(جاوید چودھری)

''کیوں تھک گئے!'' ایک ٹھنڈی اور میٹھی آواز نے میری سماعت پر دستک دی، میں نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں، وہ سرخ و سپید بوڑھا میری طرف دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی مٹھاس، ایک انوکھا سا رچاؤ تھا۔''ہاں'' میں نے ٹھنڈا سانس بھرا اور ٹانگیں پھیلا دیں، سامنے راول جھیل پر شام اتر رہی تھی، پانی کنارے آباد جنگلوں میں جاتی بہار کی ہوا خوشبو سمیٹ رہی تھی، بادبانی کشتیاں چھلوں پر لہراتی تتلیوں کی طرح پانی پر ہولے ہولے، دھیرے دھیرے ڈول رہی تھیں اور جھیل پر جھکے پہاڑوں کا عکس رنگ بدل رہا تھا۔بوڑھے نے اپنا شفیق ہاتھ میرے کندھے پر رکھا اور پوچھا: ''کیوں'' میں نے اپنا ہاتھ اس کے خشک ہاتھ پر رکھ دیا۔اس کے ہاتھ کی نسوں میں خون کیچوے کی طرح سرک رہا تھا، میں نے آہستہ آواز میں جواب دیا: ''طبیعت ٹھیک نہیں، ایک ڈپریشن ہے جو تنور میں جلتی لکڑیوں کا دھواں بن کر معدے سے اٹھتا ہے اور سیدھا دماغ کی چوٹی پر جا ٹھہرتا ہے۔اندر میرے، اندر ایک غبار، ایک آگ ہے، ایک لاوا ہے جو باہر نکلنے کا رستہ تلاش کر رہا ہے''۔مجھے اپنی آواز اجنبی محسوس ہوئی، میں نے ٹانگیں سمیٹیں، آنکھیں بند کیں اور گردن پر ہاتھ رکھ کر پیچھے جھک گیا۔بوڑھے نے میرے کندھے سے ہاتھ اُٹھا لیا، مجھے محسوس ہوا جلتے صحرا میں برگد کا ایک درخت تھا، جو میرے وجود سے جدا ہو گیا۔میں نے پریشان ہو کر آنکھیں کھول دیں، بوڑھا ٹھوڑی چٹکی میں دبائے جھیل کی وسعت میں گم تھا

وہ مجھے اپنی طرف متوجہ پا کر مسکرایا اور اپنے ساتھ بیٹھے شخص کی طرف اشارہ کر کے بولا: "یہ میرا چھوٹا بھائی احسن بیٹھا ہے" میں نے آگے جھک کر دیکھا، واقعی بینچ پر میرے بعد وہ بوڑھا تھا، اس کے ساتھ اس سے ملتا جلتا ایک اور بوڑھا تھا اور آخر میں ان دونوں سے نسبتاً کم بوڑھا سیاہ چشمہ لگا کر جھیل کو گھور رہا تھا۔ وہ تینوں ایک ہی سانچے سے بنے بوڑھے تھے، سرخ و سپید رنگت، مہندی رنگ کے بال، ٹائی اور کوٹ میں ملبوس دھلے دھلائے سے، میں نے چہرہ سیدھا کیا اور ان تینوں کی طرح اپنی نظریں جھیل پر جما دیں۔ "ہاں! تو میں بتا رہا تھا، یہ دونوں میرے بھائی ہیں۔ ہم اپنے والدین کے تین ہی بچے تھے، میں، احمد اور احسن ہم تینوں پیدائشی معذور ہیں، قدرت نے جب مجھے بنایا تو وہ میری ٹانگیں بنانا بھول گئی۔" میں نے ہڑبڑا کر بوڑھے کی طرف دیکھا، واقعی رانوں سے نیچے اس کی ٹانگیں غائب تھیں۔ احمد پیدا ہوا تو اس کے بازو نہیں تھے جبکہ احسن بصارت کی نعمت سے محروم پیدا ہوا۔ بوڑھا اس رواں اور میٹھے لہجے میں بولتا چلا گیا، میں نے گھبرا کر اس سے آگے دیکھا، اس کے ساتھ بیٹھے بوڑھے کے کوٹ کے بازو پھٹے ہوئے جھنڈے کی طرح لٹک رہے تھے اور کونے میں بیٹھا بوڑھا سیاہ شیشے کی اوٹ سے رات کی تاریکیاں ماپ رہا تھا۔ میں نے افسوس سے ٹھنڈا سانس بھرا، بوڑھے نے اپنا شفیق ہاتھ میرے کندھے پر رکھ دیا" ہمارے والدین فوت ہو گئے، ہمارے لیے زمین جائیداد چھوڑ گئے، ہم نے شادی نہیں کی، میں اس وقت 80 سال کا ہوں، احمد 78 اور احسن 76 سال کا ہو چکا ہے۔ ہم مہینے میں ایک دن یہاں آتے ہیں، ایک دو گھنٹے یہاں بیٹھتے ہیں اور پھر ہمارا ڈرائیور ہمیں دوبارہ گھر لے جاتا ہے، ہم نے پوری زندگی اس معمول میں گزار دی۔ لیکن کبھی ہمارے معدے میں لکڑیاں نہیں جلیں اور نہ ہی ان کا دھواں ہمارے دماغ تک پہنچا، احسن نے، احمد نے اور میں نے کبھی اپنے ربّ سے شکوہ نہیں کیا، ہم نے کبھی اس سے نہیں پوچھا، اے پروردگار! ہمارا کیا قصور تھا؟ ہمیں کس جرم،

کس گناہ کی سزا دی گئی اور ایک تم ہو" بوڑھا ہنسا، اس نے اپنا ہاتھ میرے کندھے سے اٹھالیا۔ "اور ایک تم ہو، اپنے قدموں پر چلتے ہو تم نے ذرا دیر پہلے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا، تم نے میری نسوں میں سرکتے لہو کی سرسراہٹ محسوس کی تھی، تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو، میں بڑی دیر سے دیکھ رہا ہوں، تم بار بار پانی میں پہاڑوں کا عکس دیکھتے ہو، تم سامنے بادبانی کشتیوں کے بادبان بھی دیکھتے ہو، تم نے ذرا دیر پہلے جنگلوں میں بڑھتی پھیلتی تاریکی کا مشاہدہ بھی کیا تھا، دیکھو! میرا وہ بھائی،" بوڑھے نے انگلی سے بنچ کے سرے پر بیٹھے بوڑھے کی طرف اشارہ کیا! "میرا وہ بھائی شام کی بڑھتی تاریکی دیکھ سکتا ہے، نہ جنگل، نہ بادبان نہ کشتیاں اور نہ ہی رنگ بدلتے عکس، ان کی زندگی کا صرف ایک ہی رنگ ہے، گہرا سیاہ، تاریک، اور کالا رنگ اور وہ میرا دوسرا بھائی" اس نے دوسرے بوڑھے کی طرف اشارہ کیا، بوڑھے نے چمکتی آنکھوں سے میری طرف دیکھا" وہ چھونے کی لذت سے محروم ہے، اسے معلوم ہی نہیں ہاتھ جب ہاتھوں کو چھوتے ہیں تو کیا ہوتا ہے، جب کوئی کسی جلتی ہوئی پیشانی پر ہاتھ رکھتا ہے تو ہاتھ کیا محسوس کرتا ہے اور پیشانی کیا کیا محسوس کرتی ہے اور رہا میں" بوڑھے نے اپنی ادھوری رانوں پر ہاتھ پھیرا۔ "ہاں! رہا میں تو میں وہ بدقسمت شخص ہوں جسے معلوم ہی نہیں قدم کیا ہوتے ہیں، مسافتیں کیا ہوتی ہیں، فاصلے کسے کہتے ہیں، وہ جو بولتے تھے دس ہزار کلومیٹر لمبے سفر کا آغاز ایک قدم سے ہوتا ہے وہ سچ کہتے ہوں گے لیکن میرے سفر کا تو آغاز ہی نہیں ہو سکتا۔ میرے تو پاؤں ہی نہیں ہیں' بوڑھا سانس لینے کے لیے رُکا۔ میں نے لمبا سانس لے کر پھیپھڑوں میں تازہ ہوا بھری، بوڑھا پھر گویا ہوا:

"ڈپریشن تو ہمیں ہونا چاہیے، ہم ادھورے لوگوں کو، جو تین مل کر بھی پورا ایک نہیں ہو سکتے۔ تم پر تو خدا کا کرم ہے، تمہارے پاس تو ہاتھ ہیں، آنکھیں ہیں اور پاؤں ہیں، تم صحت مند ہو، جوان ہو، باصلاحیت اور ذہین بھی دکھائی دیتے ہو، قدرت نے تمہارے جسم، تمہارے وجود میں

کوئی کمی، کوئی خامی نہیں چھوڑی۔ لہٰذا پھر مجھے تمہاری مایوسی، ڈپریشن اور خودترسی کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔" میں نے کسمسا کر جواب دیا: "میں کچھ کہنا چاہتا ہوں لیکن حالات، وقت اور نظام موقع نہیں دے رہا۔" بوڑھے نے قہقہہ لگایا، ہاتھوں پر ہاتھ ملے اور اسی میٹھی آواز میں بولا: "بس! یہ مسئلہ ہے، لو پھر میں تمہیں ایک نسخہ بتاتا ہوں، اس پر عمل کرو، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مایوسی سے نکل جاؤ گے۔ میرے بچے! چپ سے بڑی آواز اور خاموشی سے بڑا کوئی احتجاج نہیں ہوتا، جب ساری آوازیں بے اثر ہوجائیں اور سارے احتجاج بے معنی ہوکر رہ جائیں تو چپ سادھ لیا کرو، خاموش ہوجایا کرو، لوگ جب خاموش ہوجاتے ہیں تو پھر قدرت کی آواز بلند ہوتی ہے، تم خاموش ہوکر، تم چپ سادھ کر قدرت کی آواز کا انتظار کیا کرو، تم تک قدرت کی آواز ضرور پہنچے گی" بوڑھا خاموش ہوا، اس نے گردن ہلائی اور سرگوشی میں بولا "چپ سے بڑی بد دعا بھی کوئی نہیں، تم چپ کی بد دعا دے کر اپنا حساب اللہ پر چھوڑ دیا کرو، پرسکون ہوجاؤ گے۔ مطمئن ہوجاؤ گے"۔ میں نے ہاتھ آگے بڑھایا، اس کا ہاتھ، ہاتھ میں لیا، اسے بوسا دیا اور اٹھ کر جانے لگا، وہ مسکرایا اور بولا "اور ہاں! یاد رکھو! شکوے سے پہلے شکر کو اپنی عادت بنالو تم کبھی خسارے میں نہیں رہو گے"

(**بشکریہ**: روزنامہ ایکسپریس)

نیکی اور دنیاداری

(ڈاکٹر وحید اظہر)

دنیا دار کی نیکی کی کوکھ میں ایک برائی پوشیدہ ہوتی ہے ....یہ برائی اس وقت جنم لیتی ہے جب وہ اپنی مرضی کی نیکی کرتا ہے یا پھر نیکی میں من مرضی کرنا چاہتا ہے۔اوراس من مرضی کا تعلق من سے نہیں، تن سے ہوتا ہے۔من مرضی کا مطلب من مانی...... حالانکہ نیکی کی روح تو اپنے من کے ققنس کی راکھ سے جنم لیتی ہے۔دنیا دار صرف اپنے من پسند ماحول میں، اپنے من چاہے لوگوں کے ساتھ، من چاہی نیکی کرنا چاہتا ہے۔جہاں پر اُسے اپنے پندارِ نفس کے زخمی ہونے کا اندیشہ ہو، وہاں سے وہ راہِ فرار اختیار کرنے میں عافیت سمجھتا ہے، حالانکہ وہیں پر نیکی کرنے کا بہترین موقع میسر آتا ہے۔وہ اپنی متاعِ زندگی صرف اپنے لئے بچا کر اور سجا کر رکھنا چاہتا ہے.......اور بچا کھچا سب کچھ نیکی کے نام پر غریبوں میں نچھاور کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ کاروبارِ زندگی کا یہی معمول اُس کی نظر میں نیکی کہلاتا ہے۔اس طرح وہ نیکی کے معاملے میں اپنے نفس کی لگائی ہوئی گھات یعنی توجیہات کے جال میں پھنستا چلا جاتا ہے۔جال تو جیہہ کا ہو یا تشبیہہ کا.....اس میں گرفتار ہونا یا لالچ کے سبب ہوتا ہے یا پھر غفلت کے سبب! لالچ سب کی نظر میں ہوتا ہے۔..... لیکن غفلت نظر نہیں آتی.....یہاں تک کہ خود کو بھی......اسی لئے اہلِ نظر کے نزدیک غفلت سب سے بڑا گناہ ہے۔غفلت سب گناہوں کی جڑ ہے..... کیونکہ یہ نزدیک کو دُور کرنے کا موجب ہے۔

دنیا دار نیکی اس لئے کرتا ہے کہ نیکی کرنا اُسے منفعت بخش معلوم ہوتا ہے۔اُس نے نیکی کے نام پر کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کیا۔نیکی کا سفر اُس کیلئے کسی خواہش کی تکمیل کا سفر بھی ہوتا ہے۔وہ نیکی کے نام پر لُٹتا نہیں،لُوٹنا چاہتا ہے..... عزت،دولت،ثواب۔وہ بھول جاتا ہے کہ نیکی کے سفر میں جس دِل میں لُٹنے کی تمنا نہ ہو،اُسے راستے ہی سے لوٹا دیا جاتا ہے۔ دنیا دار دوسروں کی دنیا کی خبر نہیں لیتا..... لیکن اُن کے دین کی خبر گیری میں مشغول رہتا ہے۔ وہ محروموں کواُن کا حق دینے کی بجائے انہیں قناعت کا سبق دینے میں زیادہ دلچسپی رکھتا ہے۔ وہ دوسروں کے دین کا خیال رکھتا ہے اوراپنی دنیا کا....حالانکہ دوسروں کی دنیا ہی تو اپنا دین بن جاتی ہے۔...یعنی دوسروں کی دنیا سنوارنے سے اپنا دین سنورتا ہے۔

دنیا دار کے پاس چیزوں کو ماپنے کیلئے صرف ایک ہی پیمانہ ہوتا ہے۔اور وہ پیمانہ قدر کی بجائے مقدار ماپتا ہے۔نیکی ماپنے کیلئے بھی وہ قدر کی بجائے قدآوری اور قبولیت کی بجائے مقبولیت کے باٹ استعمال کرتا ہے۔وہ نذر کے نام پر جو کچھ پیش کرتا ہے،وہ نمودونمائش ہوتی ہے۔ وہ خدا کے نام پر خود جھکتا نہیں...... دوسروں کو جھکانا چاہتا ہے۔دراصل اصلاح کے نام کی کوئی اصطلاح جب کسی کم ظرف کے ہاتھ میں آتی ہے تو وہ خود اصلاح پکڑنے کی بجائے دوسروں کو پکڑنے کا کام اپنے ذمّے لے لیتا ہے.....اوراُس کا یہ طرزِ عمل پکار پکار کر کہہ رہا ہوتا ہے...... ''ہم ہی تو ہیں اصلاح کرنے والے۔''دنیاداروں میں سے بدترین دنیادار وہ ہے جودین کے نام پر اپنی دنیا کی دُکان سجا کر بیٹھ جاتا ہے .....یہ دکان اُس کے مزاج اور مفاد کی ہوتی ہے۔لیکن باہر سائن بورڈ پر نام اور کام دین کا لکھا ہوتا ہے۔دنیا دار نیکی کے نام پر فوراً ہی مرنے مارنے پر تُل جاتا ہے۔وہ اپنی نذر اوراُس کی قبولیت کے درمیان انتظار نہیں کرسکتا۔وہ اپنی نیکی کا صلہ پانے

میں بسا اوقات اس قدر عجلت کا مظاہرہ کرتا ہے کہ نیکی کرنے سے بھی پہلے اُس کا معاوضہ لینے کیلئے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے .... مخلوقِ خدا کو دکھانے کیلئے اُس کے پاس یہ سند ہی کافی ہوتی ہے کہ اُس کا ارادہ نیکی کا تھا۔ شکریہ وصول کرنا یا داد وصول کرنا دراصل اپنی نیکی کا معاوضہ وصول کرنا ہے۔ دنیا دار دیگر ادائیگیوں کی طرح شکریے کی ادائیگی کو بھی صرف دوسروں کا فرض جانتا ہے لیکن اپنے فرائض کی ادائیگی کو دوسروں پر احسان تصوّر کرتا ہے۔ ضرورت مندوں کو پہلے قطار کی صورت میں لائن حاضر کرنا اور پھر اُن کے سروں پر تھکاوٹ، احسان اور کچھ مادّی اشیاء کا بوجھ لاد دینا ..... نیکی نہیں کہلاتا۔ نیکی تو مانگنے والے کو اس کی منہ مانگی شئے مانگنے سے بھی پہلے دینے کا نام ہے۔ مانگنے والے کی ضرورت پوری کرنا تو فرائض کے زمرے میں آتا ہے۔ مانگنے پر ضرورت پوری کی تو گویا شرمندہ کیا ..... خود کو آئینۂ سخاوت کے سامنے .... اور سائل کو اُس کی عزتِ نفس کے آئینے میں ... یہ بھرم رکھنا نہیں، بھرم پھوڑنا ہے۔

سخی اپنی سخاوت کے ذریعے مخلوق کی ضرورتوں کے، اور مجبوریوں کے عیب ڈھانپتا ہے۔ یوں سخی اللہ کے قریب ہوتا ہے۔

مال دار کی روحانیت اُس کا سخی ہونا ہے۔ سخی ہونے کیلئے تجوری میں مال سے کہیں بڑھ کر دل میں مال خرچ کرنے کا حوصلہ ہونا ضروری ہے۔ سخی کی نشانی یہ ہے کہ وہ گنتی نہیں کرتا .... اسی لئے تو اسے بے حساب رزق عطاء کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے جسے بے حساب رزق عطاء ہو جائے، اُسے حساب کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ گن گن کر رکھنے والا بخیل بھی ہوتا ہے اور بزدل بھی۔ وہ غریب ہونے سے ڈرتا ہے۔ جمع کرنے والے کی تجوری کسی دن خالی ہو جاتی ہے۔ جو تقسیم کرتا رہتا ہے اس کی نظر اور خزانہ دونوں بھرے رہتے ہیں۔ سخی کا خزانہ تجوری میں

نہیں،غیب میں جمع ہوتا ہے،اورغیب لامحدودہوتا ہے۔جبکہ ظاہراورظاہر کاہر حاصل ... محدود!!!
جمع کرنے اور تقسیم کرنے میں چنداں فرق نہیں.... بس عقل مندی سے جمع کرنے کو تقسیم کرنا
کہتے ہیں۔یعنی ظاہر میں تقسیم کرواورغیب میں جمع کرلو!!!

درحقیقت مال داراایک عیال دار کی طرح ہوتا ہے۔جس طرح عیال دارشخص اس لئے
عیال دار کہلاتا ہے کہ اُس کے ذمے ایک کنبے کی معاشی و معاشرتی ذمہ داریاں ہوتی ہیں،اسی
طرح ایک مال دارشخص بھی اس لئے مال دار ہوتا ہے کہ وہ غریبوں کی معاشی کفالت کاذمہ دار ہوتا
ہے۔وہ مال دار جو دین دار بھی ہو۔ بلکہ وہ دین دار جو مال دار بھی ہو..... وہ جانتا ہے کہ اُس
کے پاس بہت سامال دوسروں کی امانت کےطور پر جمع ہے۔وہ دیانت داری سے مستحق افراد کواُن
کی امانتیں پہنچاتا رہتا ہے۔اورامین کہلاتا ہے،وہ جانتا ہے کہ ایک دیانت دار تاجر قیامت کے
روزانبیاءاورشہداء کے ساتھ ہوگا۔قیامت کونظر میں رکھنے والوں کیلئے ہر روز،روزِحشر ہے۔

نیکی کا جوہر.....انسانیت کی قدر کرنا ہے۔جوانسان کی قدر نہ کرسکا،وہ نیکی کی قدر کیا
پہچانے گا۔دنیا دار کےنزدیک انسان بھی اشیائےصَرف کی طرح ہوتے ہیں،جن کے وہ نرخ
طے کرتا رہتا ہے...... وہ انسانوں کوصَرف کرتا رہتاہےاورچیزوں کوجمع کرتا رہتا ہے۔جوشخص
اپنے ساتھ انسان جوڑتا رہااورچیزیں خرچ کرتا رہا...... وہ دین کمانے میں کامیاب ہوگیا....
اور جوشخص چیزیں جمع کرتا رہااورانسان ضائع کرتا رہا،اس نے دراصل دین ضائع کیا.......
اُس نے گھاٹے کا سودا کیا.... اُس کےاعمال کاپلڑا ہلکا رہ گیا.... کیونکہ اس نے اپنے ربّ
کے شاہکار یعنی انسان کواشیاء کے مقابلے میں ہلکا جانا۔روزِقیامت جب میزانِ عمل میں سب
سے بھاری چیزحسنِ اخلاق ہوگی،تو حسنِ اخلاق کی طرف آج ہی سے کیوں نہ توجہ کی جائے!

حسنِ اخلاق کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ انسان ، انسان کی طرف متوجہ ہو جائے۔حسنِ اخلاق .... انسانوں کے ساتھ کیا گیا حسنِ سلوک ہی تو ہوتا ہے۔حسنِ اخلاق یقیناً ایک بھاری عمل ہے ..... کیونکہ کسی "ہلکے" انسان کے ساتھ با اخلاق ہونا نفس پر بہت بھاری ہوتا ہے۔عام آدمی سے نیکی کرنا ایک بڑی بات ہے۔خالص نیکی وہی ہے جو انسان ایک ایسے عامی انسان سے کرتا ہے، جو اُس کے احسان کو نہ تو واپس لوٹانے کی استطاعت رکھتا ہو اور نہ اسے مشتہر کرنے کی استعداد رکھتا ہو۔بہترین نیکی، بہترین اخلاق ہے۔بہترین اخلاق سب سے بہتر نیکی ہے۔

دراصل نیکی کے قریب بھی پہنچنے کیلئے اپنی عزیز متاع سے دُور ہونا پڑتا ہے .... یعنی اپنی عزیز ترین متاع کو خرچ کرنا پڑتا ہے۔نیکی تو ایسی نازک طبع ہوتی ہے کہ اسے اگر شبہ بھی ہو جائے کہ قیمتی متاع کو پہلی اور اسے دوسری ترجیح دی گئی ہے ..... تو یہ روٹھ جاتی ہے۔**<u>اپنی نیکی یاد دلانے والا، بھلا دیا جاتا ہے .... جو نیکی کر کے بھول جاتا ہے، وہ یاد رہتا ہے۔</u>**

نیکی توفیقِ خداوندی ہے۔نیکی بھی ایک شہرِ حرمت ہے ..... کسی انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ اذنِ خداوندی کے بغیر نیکی کی مقدس وادی میں قدم رکھے۔دراصل زمان و مکاں کی بے کنار وسعتوں میں نیک عمل کرنے کیلئے میسر افراد، وسائل اور وقت کا ایک ساتھ ہم آہنگ ہو جانا ...... اور ان سب معاملات کا Synchronize ہو جانا ....بشری اختیار میں ہرگز نہیں، اس لئے نیکی بھی "سرزد" ہوتی ہے اور توفیقِ الٰہی کہلاتی ہے۔جب کسی نیک عمل کا پایۂ تکمیل تک پہنچنا سراسر توفیقِ الٰہی پر منحصر ہے، تو انسان نیکی کو اپنی جانب منسوب کر کے برائی کا مرتکب کیوں ہوتا ہے؟

<u>نیکی کی راہ پر چلنے والا کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتا۔ نیکی کے سفر میں ملامت، نیکی پر استقامت جانچنے کیلئے آتی ہے۔ سچے اور سُچے مسافر اس کسوٹی پر پورا اُترتے ہیں</u>۔ اور مقیم کہلاتے ہیں۔ نیکی کی راہ پر چلنے والا، چلتے چلتے اخلاص کی وادی میں پہنچ جاتا ہے..... اور وادیٔ اخلاص وہ ہے، جہاں شش جہات کا کوئی تصور نہیں.... نہ شرق ہے، نہ غرب.... نہ دایاں، نہ بایاں ... نہ اپنا، نہ غیر۔ جہان اخلاص میں مفاد کا سایہ نہیں پڑتا.... یہ وادی، وادیٔ بے گمان ہے..... اس لئے یہاں شیطان کا بس نہیں چلتا۔ جہانِ اخلاص میں مقیم انسان کی پہچان بھی عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔ اخلاص اگرچہ۔۔۔۔۔۔ کی بوٹی ہے تو اس کی خوشبو.... بس مخلصین ہی پہچانتے ہیں۔ مخلصین اُس کے عبد ہیں۔ عبد کو ربّ پہچانتا ہے... اور ربّ کو اُس کے عبد!!

درجۂ اخلاص تک پہنچنا درحقیقت ماسواء سے ماوراء تک پہنچنا ہے .... اور اخلاص سے توحید، دو قدم ہے۔ یہ کہنے کو دو قدم ہے۔ مگر اس بارے میں کچھ کہنا.... کچھ طے کرنے کے برابر ہے۔ اور یہ بھی طے ہے کہ اُس کا بیان صرف انسان کے پاس ہے۔ اُس کی شان بیان کرنا اِسی کے شایانِ شان ہے۔ درحقیقت اِخلاص اور توحید ایک ہی سورۃ میں جمع ہیں .... اور اس سورۃ کی شرح بصورتِ انسان کھلتی ہے۔ وحدہ لاشریک کی شرح جس صورت میں کھلتی ہے ... وہ بلاشرکتِ غیرے کائنات و مافیھا میں ایک ہی صورت ہے۔ یہی وہ صورت ہے جو احسن تقویم ہے۔

سلام ہے ربّ کائنات کی اُس محبوب صورت ﷺ پر .... کہ جس کا فرمایا ہوا ایک ایک حرف.... نیکی کی راہ پر چلنے والوں کیلئے حرفِ آخر ہے۔ سلام ہے اُس احسن تقویم صورت ﷺ پر کہ جس کا اُسوہ، نیکی کی راہ پانے والوں کی تقویم ہے۔

مردِ مومن

(عبدالرشید ساہی)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے کہ "ساری کی ساری عزت میرے لیے (اللہ تعالیٰ) کے لیے رسولوں کے لیے اور مومنین کے لیے ہے"

مردِ مومن کوئی انوکھی مخلوق نہیں ہوتا وہ انسانوں کی دنیا میں ان کے درمیان رہتا ہے خود بھی انسان ہوتا ہے لیکن اس کا کردار، انداز نظر، انداز فکر اور انداز بیاں دوسرے انسانوں سے مختلف ہوتا ہے کیونکہ وہ مجسم تسلیم و رضا ہوتا ہے۔ قانون فطرت کا تابع فرمان ہوتا ہے اور خدائی سلطنت کا رازداں ہوتا ہے۔ جناب محمد صدیق ڈارؒ نے اس حقیقت سے یوں پردہ اٹھایا ہے۔

تیری نگاہ ناز میں میرا وجود بے وجود
میری نگاہ تلاش میں تیرے سوا کوئی نہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا ہے "شدید ترین محبت میرے ساتھ ہو تو مومن کا مقام حاصل ہوتا ہے" مردِ مومن خدائی مصوری کا شاہکار ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ کی ملاقات ایک مردِ مومن سے ہوئی۔ اپنے وقت کا پیغمبر اپنے دور کے مردِ مومن سے مل کر حیران ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے حال کو دیکھ رہے تھے اور مردِ مومن (حضرت خضر علیہ السلام) مستقبل کے واقعات کو دیکھنے میں مصروف تھا۔ حضرت موسیٰ کی عظمت اور ان کے علم و عرفان پر شک نہیں۔ آپ کے مقام اور بصیرت پر شک نہیں، آپؑ کے عصائے ید بیضا اور کلیمی پر شک نہیں لیکن مردِ مومن آپ کی پہچان میں نہ آسکا جن واقعات کا حوالہ دوں گا قرآن کریم میں موجود ہیں میں افسانوں اور قصہ کہانیوں کا قائل نہیں۔ الحمد للہ! مرشد کریم نے اسلام کی روح سے آشنا کیا ہے۔ قبلہ ڈار صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ تمام عبادات کا ماحاصل یہ ہے کہ

انسان خود خوبصورت ہو جائے (by character) یعنی اسلام تمہارے "لوں لوں اور رگ رگ میں سما جائے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

؎ وہ عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

مردمومن اس منزل پر ہوتا ہے جہاں سفر ہی مدعا سفر ہے۔ وہ خود آگاہی کے مقام کو پا چکا ہوتا ہے۔ جہاں نہ فراق ہے، نہ وصال، نہ کوئی اپنا ہے اور نہ غیر، وہ سکوت سے ہم کلام رہتا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

؎ خرد کی گتھیاں سلجھا چکا ہوں
میرے مولا! مجھے صاحبِ جنوں کر

مردمومن ذات صفات کے تعلق سے آشنا ہوتا ہے وہ صاحب بصیرت ہوتا ہے اور جانتا ہے کہ عیاں کا رشتہ اور رابطہ ہر وقت نہاں سے قائم رہتا ہے۔ وہ ایک ایسی جلوہ گاہ میں محو کھڑا ہوتا ہے جہاں آنکھ کی بینائی کا پردہ حائل نہیں ہوتا اس کی پیشانی زمین پر ہو تو اس کی سجدہ گاہ آسمان پر ہوتی ہے اس کا دل اس کی آنکھ میں ہوتا ہے اور آنکھ دل میں ہوتی ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

؎ ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدہ دل وا کرے کوئی

ایک انگریز مفکر آرنلڈ نیمر د نے مومن کے مقام کے متعلق اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

"مردمومن کے پاس وہ علم ہوتا ہے جس کی تلاش میں انسان زندگی سے نکل جاتا ہے اور پھر موت سے بھی نکل جاتا ہے اور حیاتِ جاویداں پالیتا ہے۔ جو ایک ہو گیا وہ مر نہیں سکتا، وحدت کو موت نہیں اور کثرت موت سے بچ نہیں سکتی"۔

مردِ مومن کی نگاہ نے مولانا روم کو مولائے روم بنا دیا اور پیر رومی کے فیض سے مرید ہندی اقبالؒ فطرت شناس ہو گیا بلکہ صاحب اقبال با کمال ہو گیا۔ اگر سائیں کا فضل کسی کو مردِ مومن بنا دے تو ہم اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہیں۔ اعتراض کرنے والے کلیہ قاعدہ استعمال کرتے ہیں مگر مردِ مومن فارمولے سے باہر ہوتا ہے۔

؎ جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

بنانے والی نگاہ نے فیضِ نبوت سے عمر بن خطاب کو حضرت عمر فاروقؓ بنا دیا، بلال حبشی کو سیدنا بلالؓ بنا دیا۔ وہی کافروں کو ایمان کی دولت عطا کرتا ہے۔ اندھیروں کو روشنی بخشتا ہے، مجھ جیسے عاصیوں کو بھی معاف فرما دیتا ہے اور صاحبان استقامت کو اپنے لطف میں داخل فرما کر مردِ مومن بنا دیتا ہے۔

؎ فصل گل میں کب کبھی کو شان زیبائی ملے
چند کلیوں کو بہاروں سے شناسائی ملے

ایک مردِ مومن حضرت سلیمانؑ کے دربار میں بیٹھا تھا جس نے پل بھر میں 60 مربع گز کا تختِ بلقیس ملک صباء سے دربارِ سلیمانی میں منگوا دیا۔ ایک مردِ مومن نے دریائے نیل کو خط لکھا کہ اپنی روانی برقرار رکھ، تاریخ گواہ ہے کہ دریائے نیل آج تک خشک نہیں ہوا۔

ایک مردِ مومن یعنی قبلہ محمد صدیق ڈارؒ صاحب نے نگاہ فیض سے میری زندگی کا رخ موڑ کے رکھ دیا۔ فقیری عطا فرمائی اور ردلوں کا میل دور کر دیا۔ میاں محمد صاحبؒ فرماتے ہیں:

؎ مرد ملے تاں مرض گواوے اوگن دے گن کردا　کامل پیر محمد بخشا لعل بنان پتھر دا

ہیلتھ کارنر

(حافظ محمد یٰسین)

پچاس سالہ انور بیگ دفتر میں کام کرتے تھے۔ان کا زیادہ تر وقت کرسی پر بیٹھے کام کرتے گزرتا مگر اس چلن نے انہیں قبض کا مریض بنا دیا۔کبھی کبھی یہ مرض انہیں درد سے بے حال کر دیتا۔آخر ایک جہاں دیدہ ماہر غذائیات نے انہیں مشورہ دیا کہ سردیوں کے موسم میں جی بھر کر شلجم کھاؤ۔انور بیگ اپنی بیماری سے تنگ آ چکے تھے۔اسی لیے یہ غذائی ٹوٹکا بھی آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔

جب موسم سرما آیا تو وہ ہر دوسرے دن کچے اور پکے ہوئے شلجم کھانے لگے۔اس سبزی کے متواتر دو ماہ کے استعمال نے واقعی کرشمہ کر دکھایا اور قبض کی بیماری دور ہو گئی۔انہیں پاخانہ کھل کر آنے لگا۔اس طرح شلجم نے انور بیگ کو ایک دیرینہ مرض سے نجات دلا دی۔

یہ کرشمہ اس لیے ظہور پذیر ہوا کہ شلجم میں بکثرت فائبر (ریشہ) پایا جاتا ہے۔معدے کے جراثیم فائبر کو گھلا نہیں پاتے، اس لیے یہ زم مادہ انسانی جسم سے خارج ہو جاتا ہے۔فائبر کی وجہ سے اجابت بنا تکلیف کے کھل کر ہوتی ہے اور کوئی فاسد مواد انتڑیوں میں نہیں رہتا۔ایک پیالی شلجم میں پانچ گرام فائبر پایا جاتا ہے۔شلجم میں مختلف وٹامن اور معدنیات بھی پائے جاتے ہیں۔ وٹامن میں اے، سی، ای، کے وٹامن بی کی کئی اقسام اور فولیٹ شامل ہیں۔معدنیات میں مینگنیز، پوٹاشیم، میگنیشیم، فولاد، کیلشیم اور تانبا قابل ذکر ہیں۔یہ فاسفورس، اومیگا تھری فیٹی ایسڈ اور پروٹین کا بھی اچھا ذریعہ ہے۔قابل ذکر بات یہ کہ غذائیات سے بھرپور ہونے کے باوجود شلجم میں بہت کم حرارے پائے جاتے ہیں۔ایک پیالی پکے شلجم میں صرف 36 حرارے (کیلوریز رکھتے ہیں)۔

یہ سبزی کاربوہائیڈریٹ بھی وافر رکھتی ہے جو ہمارے جسم کو توانائی فراہم کرتا ہے۔ ایک پیالی پکے شلجم 8.5 گرام کاربوہائیڈریٹ رکھتے ہیں۔اس میں پانچ گرام شکر اور 1.2 گرام ریشہ شامل ہے۔شلجم میں پروٹین اور چکنائی بہت کم ہوتی ہے۔وٹامن میں کے، سی، اے

اور بی اس سبزی میں زیادہ ملتے ہیں۔

ایک پیالی شلجم میں 27 ملی گرام وٹامن سی موجود ہوتا ہے۔یہ وٹامن تکسیدی مادے (Oxidant) مادّے ختم کرتا ہے۔یوں جسمانی بافتیں صحت مند ہوتی ہیں جبکہ ہمارا امامون نظام بھی طاقتور رہتا ہے۔وٹامن کے انسانی صحت کو مجموعی طور پر فائدہ دیتا ہے۔ایک پیالی پکے شلجم میں 318 آئی یو(انٹرنیشنل یونٹس)وٹامن کے ملتا ہے۔

معدنیات میں پوٹاشیم اور کیلشیم شلجم میں بکثرت ملتے ہیں۔ایک پیالی کچے شلجم میں 407 ملی گرام پوٹاشیم ملتا ہے۔جبکہ 76 ملی گرام کیلشیم بھی ہوتا ہے۔پوٹاشیم ہمارے بدن میں خون کا دباؤ متوازن رکھتا ہے۔

غذائیات کا خزانہ ہونے کی وجہ سے شلجم مختلف عوارض میں انسانی صحت کو فائدہ پہنچاتا ہے اسے کچا کھایئے یا پکا ہوا، یہ ہر اعتبار سے مفید ہے۔پاکستان کے دیہی علاقوں میں اس سبزی کے پتے بھی پکا کر کھائے جاتے ہیں۔شلجم کے طبی فوائد درج ذیل ہیں۔

بلڈ پریشر

برٹش جرنل آف کلینکل فارما لوجی میں شائع ہونے والی تحقیق کے مطابق شلجم میں غذائی نائٹریٹس مادے ملتے ہیں۔یہ مادے انسانی جسم میں خون کا دباؤ (بلڈ پریشر) اعتدال پر رکھتے ہیں۔مزید برآں سبزی میں موجود پوٹاشیم بھی بلڈ پریشر بڑھنے نہیں دیتا۔واضح رہے، جدید طرز زندگی کی وجہ سے آج لاکھوں انسان ہائی بلڈ پریشر کے مریض بن چکے۔یہ عارضہ انہیں مختلف بیماریوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

سرطان

تحقیق و تجربات سے ثابت ہو چکا کہ شلجم، پھول گوبھی اور اسی قسم کی دیگر سبزیاں کھانے سے انسان سرطان (کینسر) کا نشانہ نہیں بنتا۔ماہرین کی رو سے شلجم میں ایک کیمیکل،

سلفورافین (sulforaphane) پایا جاتا ہے۔یہی کیمیائی مادہ اسے چرپرا ذائقہ دیتا ہے۔ تاہم یہ مادّہ انسان کو سرطان کی مختلف اقسام سے محفوظ رکھتا ہے۔

آنتوں کی بیماریاں:

فائبر وافر ہونے کے باعث شلجم آنتوں کی بیماریوں میں مفید ہے۔ یہ آنتوں میں سوزش پیدا نہیں ہونے دیتا اور جسم سے بآسانی فضلہ باہر نکالتا ہے۔یاد رہے، شلجم کے پتے بھی یہ غذائی مادہ وافر رکھتے ہیں۔

وزن میں کمی:

شلجم میں غذائیات زیادہ ہوتی ہے اور حرارے کم۔ اسی لیے پیٹ بھر کر شلجم کھا لیے جائیں، تو انسان دیر تک بھوک محسوس نہیں کرتا۔ یوں وزن کم کرنے میں مدد ملتی ہے۔مزید برآں خون میں شکر کی سطح بھی متوازن رہتی ہے۔ شلجم میں تکسیدی مادّے ختم کرنے والے مادوں کے علاوہ فائٹو کیمیکلز (phytochemicals) اور گلوکو سائنولیٹس (Glucosinolates) بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ مخصوص سبزیوں میں ملنے والے قدرتی کیمیکل ہیں۔ جب انسان شلجم تناول کرے، تو یہ کیمیائی دو مختلف مادوں، ان ڈولیس (Indoles) اور آئسو تھیو سائنیٹس (Isothio Cyanates) میں بدل جاتے ہیں۔ یہ مادے پھر انسانی بدن سے فاسد مادے نکالنے میں جگر کی مدد کرتے ہیں اور جسم میں رسولیاں پیدا نہیں ہونے دیتے۔ لہٰذا موسم سرما میں یہ سبزی باقاعدگی سے کھائیے۔

قلب کی حفاظت

وٹامن ''کے'' کی کثیر تعداد ہونے کے باعث شلجم جسم انسانی میں سوزش پیدا نہیں ہونے دیتا یہ خوبی امراض قلب میں فائدے مند ہے۔ سوزش کی عدم موجودگی سے انسان ہارٹ اٹیک، فالج اور دل کی دیگر بیماریوں کے حملے کا نشانہ نہیں بنتا۔

شلجم کے پتے اگر کھائے جائیں،تو ان کے باعث جگر صفرا(Bile)مادہ زیادہ خارج کرتا ہے۔یہ مادہ کھانا ہضم کرنے میں معاون بنتا ہے۔خاص بات یہ کہ صفرا جسم میں موجود کولیسٹرول اپنے اندر جذب کرتا ہے۔شلجم کے پتے کھانے سے جسم میں کولیسٹرول کی سطح نیچے رہتی ہے۔

ہڈیوں کی مضبوطی

کیلشیم کی موجودگی کے باعث شلجم ہڈیاں مضبوط کرتا ہے۔ہڈی کے جوڑ کمزور نہیں ہونے دیتا اور گٹھیا کا مرض دور رکھتا ہے۔سبزی کے طبی فوائد سے مستفید ہونے کی خاطر اسے باقاعدگی سے تناول کیجیے۔

خون کی شریانیں:

انسانی جسم میں فاسد مواد کی وجہ سے" (آزاد اصلیے)جنم لیتے ہیں۔یہ مادے مختلف طریقوں سے انسانی صحت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔خون کی شریانوں میں کولیسٹرول کے لوتھڑے پیدا کرتے ہیں طبی اصطلاح میں یہ حالت "ایتھیروسیرولیس" Atheroscierosis کہلاتی ہے۔

اسی حالت میں خون کی شریانیں خراب ہونے لگتی ہیں۔یوں خون کی روانی متاثر ہوتی ہے۔شلجم میں پائے جانے والے وٹامن ای،سی اور بیٹا کروٹین آزاد اصلیے مار ڈالتے ہیں۔لہٰذا اگر خدانخواستہ کوئی ایتھیروسیرولیس کی بیماری میں مبتلا ہے۔تو وہ سردیوں میں شلجم کثرت سے کھائے۔بفضل خدا اسے مرض سے نجات مل جائے گی۔شلجم کے غذائی اجزا آزاد اصلیے مار کر خراب شریانیں پھر سے صحت مند بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

دمے میں افادیت

وٹامن سی کے باعث شلجم دمے کے اثرات بھی دور کرتا ہے۔تحقیق و تجربات سے انکشاف ہوا ہے کہ جب دمے کے مریضوں کو یہ سبزی بہ کثرت کھلائی گئی،تو انہیں مرض میں بہت افاقہ محسوس ہوا۔

بینائی کی حفاظت

شلجم میں وٹامن اے اور بیٹا کروٹین بھی پایا جاتا ہے۔یہ دونوں غذائی عناصر آنکھوں کو تقویت دیتے اور بینائی تیز کرتے ہیں۔ان کی بدولت آنکھیں بڑھاپے کے بداثرات سے بھی محفوظ رہتی ہیں۔

جلد کی چمک

اگر موسم سرما میں شلجم خوب کھایا جائے،تو انسان کی جلد چمک اٹھتی ہے۔اس کی وجہ وٹامن سی اور وٹامن اے ہے۔یہ دونوں حیاتین جلد کو شاداب وتوانا رکھتے ہیں۔

کٹے پھٹے پیر

ایک کلو شلجم پتوں سمیت پانی میں پکائیں۔جب پانی ابلنے لگے،تو دیگچی اتار دیجیے۔ رات کو سونے سے قبل دس منٹ اپنے پیر شلجم والے پانی میں بھگو دیجیے(شلجم اور پتے بھی پانی میں رہنے دیجیے)یہ ٹوٹکہ کٹے پھٹے پیر صاف ستھرے کردیتا ہے۔
یہ ٹوٹکہ تین چار دن مسلسل آزمائیں۔پیروں کا جو حصہ کٹا ہے،وہاں شلجم کو رگڑیے۔ بفضل خدا پیر ٹھیک ہو جائیں گے۔شلجم کے پتے پیروں کی جھریاں بھی دور کرتے ہیں۔

پھیپھڑے توانا کیجیے

انسان جب سگریٹ نوشی کرے،تو اس کے جسم میں وٹامن اے کی شدید کمی ہو جاتی ہے۔اس کمی سے پھیپھڑوں کا کینسر اور دیگر بیماریاں جنم لیتی ہیں۔شلجم میں شامل وٹامن اے پھیپھڑوں کو تندرست وتوانا بناتا ہے۔

بال لمبے اور گھنے: شلجم میں مختلف وٹامن اور معدنیات بکثرت ملتی ہیں۔اسی لیے یہ بالوں کے لیے بھی مفید سبزی ہے۔باقاعدگی سے شلجم کھانے پر بال گھنے اور توانا ہوتے ہیں۔ اس میں موجود نامیلانین مادّے کی افزائش کرتا ہے۔یہی مادّہ بالوں کو سیاہ رنگت دیتا ہے۔

نماز اور ذکر تکرار نہیں، بلکہ ذہنی عمل کا نام ہے

(ڈاکٹر محمد رفیع الدین)

ذکر ایک ذہنی عمل ہے نہ کہ صرف الفاظ کا تکرار، اعادہ۔ ذکر کی اصل رُوح تفکر و تدبر کی وہ داخلی کیفیت ہے، جو حسنِ ازلی کے ساتھ تعلق کی استواری سے پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ کیفیت بلا استثناء تسبیح و تحمید، عجز و انکساری، خوف و رجاء اور مسرت و اطمینان کے جذبات کے ساتھ وقوع پذیر ہوتی ہے۔ اور یہ جذبات یکے بعد دیگرے محبّ کے ذہن میں محبوب حقیقی کے ساتھ اس کے وقتی رجحان اور تعلق کی مناسبت سے آتے جاتے ہیں۔ الفاظ کا زبان سے بار بار ادا کرنا صرف اس لیے ہے کہ یہ عاشق کی اس کیفیت کے حصول میں مدد دے اور یہ مدد اس طرح ہوتی ہے کہ یہ الفاظ حسنِ ازلی کی ان صفات پر ارتکازِ توجہ کا باعث بنتے ہیں جن کا اظہار ان سے ہوتا ہے۔ اگر نماز یا عبادت کا بدنی عمل اس داخلی ذہنی سعی کے ساتھ نہ ہو تو وہ جذبات محبت و عبودیت میں بالیدگی کا باعث نہیں ہو سکتا۔ اگر نماز یا ذکر کا عمل مندرجہ بالا جذبات کے ساتھ ہے تو یہ اس امر کا قطعی ثبوت ہے کہ داخلی کوشش موجود ہے اور محبّ کا علم و عرفان ترقی پذیر ہے۔ قرآن مجید مندرجہ ذیل آیات میں اسی حقیقت کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

ترجمہ: ”اور وہ اُمید و بیم کے ساتھ ہمیں پکارتے تھے اور ہمارے آگے (عجز و نیاز سے) جھکے رہتے تھے۔“ (الانبیاء :۹۰)

”وہ ایمان لانے والے فلاح پا گئے جو اپنی نماز میں خشوع رکھنے والے ہیں۔“ (المومنون:۱۔۲)

ترجمہ: ”اپنے رَبّ کو پکارو، گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے۔“ (الاعراف:۵۵)

ترجمہ: ”اور اُسی کو پکارو (اُس کے عذاب سے) ڈرتے ہوئے اور (اس کی رحمت سے) اُمید رکھتے ہوئے۔ بے شک اللہ کی رحمت نیکو کاروں سے قریب ہے۔“ (الاعراف:(۵٦)

اللہ تعالیٰ سے واقعی محبت رکھنے والا فرد ہمیشہ خوف اور رجاء کے بین بین رہتا ہے اس کو خوف اس بات کا رہتا ہے کہ مبادا وہ جذبہء محبت سے تہی دامن ہو کر اپنے محبوب کی ناراضگی مول نہ لے لے۔ اور اُمید ورجاء اس بات کی ہوتی ہے کہ اس کی محبت وسپردگی اسے اپنے محبوب کی نظروں سے پہلے سے زیادہ بلند کرے گی۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ترجمہ: ''ایمان خوف اور اُمید کے درمیان پایا جاتا ہے''۔

عبادت گزار کا سب سے بڑا انعام اس کے جذبہء محبت اور نتیجتاً اس کی شخصیت کا کامل ارتقاء ہے:

جب محبت خداوندی خلوص اور نکھار کا اعلیٰ ترین مرتبہ حاصل کر لیتی ہے تو اس وقت محبّ محبوب کی ناراضگی سے فی نفسہ خائف رہتا ہے۔ اس کا یہ خوف اس سزا یا عقوبت کے ڈر سے نہیں ہوتا اس کے نزدیک محبوب کی ناراضگی سے بڑی سزا ناقابلِ تصور ہے۔ اسی طرح وہ محبوب کی پسند اور رضا کا فی نفسہٖ طلبگار رہتا ہے نہ اس لیے کہ یہ کسی دوسرے انعام کا باعث بنتا ہے۔ اس کے نزدیک محبوبِ حقیقی کی پسند اور رضا سے زیادہ بڑا کوئی انعام نہیں ہے۔ ازرُوئے قرآن اللہ تعالیٰ کی رضا وہ سب سے بڑا انعام ہوگا جو کسی صاحبِ ایمان کو جنت میں داخل ہوتے ہوئے حاصل ہوگا۔

ترجمہ: ''اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی خوشنودی انہیں حاصل ہوگی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔''
(التوبہ:۷۲)

یہ انعام اتنا خوش کن اور لذت آگیں ہوگا کہ اس کی کیفیت یا کمیت کا کوئی ہلکا سا اندازہ بھی اس دنیا میں نہیں لگایا جا سکتا۔

ترجمہ: ''تو کسی متنفس کو علم نہیں کہ کیسا کیسا آنکھوں کی ٹھنڈک (کا سامان) ان کے لیے (خزانۂ غیب میں) مخفی ہے۔ یہ ہے صلہ ان کے (نیک) اعمال کا''۔ (السجدۃ:۱۷)

اس متوقع انعام کی نوید جانفزا اُسے جنت الفردوس کے دروازے پر ہی سنا دی جائیگی۔

ترجمہ: ''اے نفسِ مطمئن، چل اپنے ربّ کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں۔''

عبادت کے زندہ عمل کے ساتھ عبدیّت، عجز و انکساری اور نفیِ ذات کے جذبات اس لیے ہوتے ہیں کہ انسانی خودی اپنے خالق اور معبود کے قریب سے قریب تر ہونا چاہتی ہے اور یہی صورت حال حسنِ لازوال پر تدبر و تفکر میں ہوتی ہے۔ یہ جذبات و احساسات محبّ کے شعورِ ذات اور برتری کا احساس اجاگر کرتا ہے۔ محبوب کے حسن اور قدرت کے مقابلے میں وہ اپنے آپ کو جتنا ہیچ اور کم تر خیال کرتا ہے اور جیسے جیسے وہ محبوبِ حقیقی کی صفات حسن و قدرت کا عرفان زیادہ سے زیادہ حاصل کرتا ہے، وہ خود اپنی عظمت سے آگہی حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔ چنانچہ اس طور محبوب کی صفاتِ حسنہ سے وہ خود حصہ پاتا ہے اور اپنی شخصیت میں ان کا انجذاب کرتا ہے۔

باجماعت نماز پنجگانہ (صلوٰۃ):

صاحب ایمان لوگوں کا با قاعدہ نظم کے تحت اور اپنے میں سب سے افضل شخص کو امام بنا کر اس کی اقتداء میں پانچ وقت نماز ادا کرنا اقامتِ صلوٰۃ کہلاتا ہے۔ اور یہ ذکر کی سب سے اچھی شکل ہے۔ نماز میں ذکر کی وہ ممکنہ اور کم سے کم مقدار آ جاتی ہے جس کی ایک صاحب ایمان کے ذوق محبت کے اظہار اور اس کی بالیدگی کیلئے ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے نہ صرف ذکر کی عادت مستحکم بنیادوں پر قائم ہوتی ہے، بلکہ اس سے اس کے ذوق محبت کو بھی وقفوں کے ساتھ تقویت پہنچتی ہے۔ نماز کا مقام صاحب ایمان لوگوں کی جمعیت میں انتہائی اہمیت کا ہے۔ یہ ان کی پوری عملی زندگی کیلئے محور کا کام کرتی ہے اور ذکر سے معمور زندگی کا عملی نقشہ پیش کرتی ہے۔ تاہم صرف فرض نماز ایک مومن کے ذوق محبت کی بالیدگی اور اس کی بلند ترین سطح حاصل کرنے کے لئے کافی نہیں ہے اور اس سے اس سطح پر مطلوب ذکر کی مقدار پوری نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ روح انسانی کا مطمع نظر ترقی کی یہی چوٹی ہے یہی وجہ ہے کہ ایک سچے مومن کو فرض نمازوں کے علاوہ بھی اپنی

روحانی ترقی اور ترفع کے لئے ذکر کے اہتمام کی تاکید کی گئی ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

"پھر جب نماز ہو چکے تو (تم کو اختیار ہے کہ) زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ"۔

"پھر جب تم اپنے حج کے ارکان پورے کر چکو تو جس طرح تم اپنے باپ دادوں کے ذکر میں لگ جاتے تھے اس طرح اب اللہ کا ذکر کرو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر"۔(البقرہ:200)

"جو اٹھتے، بیٹھتے اور، ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں"۔(آل عمران:190)

حسنِ ازل کے ساتھ رشتۂ محبت ایک عجیب لذت، انبساط اور اطمینان کا باعث بنتا ہے اور جوں جوں ذوقِ محبت ذکر و فکر کے ساتھ بڑھتا ہے یہ انبساط و اطمینان بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ کسی صاحبِ ایمان کے یقین میں اضافے کا باعث بنتا ہے، بلکہ اس کی حیثیت ایک گہرے ذاتی تجربے کی ہوتی ہے۔ یہ ذاتی تجربہ اس کو اپنے ہدف کا علم اور اس کی درستگی کا پتہ بھی دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ صاحبِ ایمان کے لئے امید اور اعتماد کی ایک بنیاد فراہم کرتا ہے اور مقصدِ اعلیٰ کے حصول میں کوشش کو ابھارتا اور منضبط کرتا ہے۔

"ایسے ہی لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور ان کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہوتے ہیں یاد رکھو، اللہ کی یاد ہی سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوا کرتا ہے"۔(الرعد:28)

ذکر سے جو غیر معمولی اور مخصوص اطمینان ایک شخص کو حاصل ہوتا ہے وہ بجائے خود اس امر کا ثبوت ہے کہ ذکر فطرتِ انسانی کی اہم ترین ضرورت اور داعیہ کو پورا کرتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ فطرت کا نظام ہی کچھ ایسا ہے کہ ہر فطری خواہش خواہ اس کا تعلق حیاتیاتی سطح سے ہو یا نفسیاتی سطح سے، جب پوری ہوتی ہے تو اس کے نتیجے کے طور پر آسودگی اور خوشی حاصل ہوتی ہے اور اسی خوشی اور آسودگی سے اس خواہش یا داعیے کی تکمیل کی جہت کا تعین ہوتا ہے۔

اخلاقی کردار، خارجی عمل میں حسن کا اظہار: صحیح نصب العین جس خارجی عمل کو ابھارتا ہے

ہو وصفاتِ حسن کا اپنے تئیں اور دوسروں کے ساتھ برتاؤ میں اظہار پر مشتمل ہوتا ہے عام طور پر اسے اخلاقی عمل کا نام دیا جاتا ہے ہر نصب العین کی طرح صحیح مذہبی نصب العین کا بھی ایک اپنا اخلاقی قانون ہوتا ہے جو فرد کے ہر عمل کی نوعیت اور قدر و قیمت کا تعین کرتا ہے۔چونکہ یہ قانون صفات حسن سے اپنا جواز فراہم کرتے ہیں، چنانچہ جو فرد بھی ان قوانین کی پابندی کرتا ہے اس کا عمل بھی صفات عالیہ کا مظہر ہوتا ہے۔یہ امر مسلم ہے کہ جو شخص کسی نصب العین کو اپناتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے وہ اپنی محبت کا اظہار ہر ممکن عمل میں کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ جو کوئی صحیح دینی نصب العین سے محبت کرتا ہے وہ اس کا اظہار نہ صرف حسن زوال پر ارتکاز توجہ سے کرتا ہے بلکہ اپنا پورا عمل بھی اسی کے مطابق کرلیتا ہے اس کے شب و روز اور اس کا پورا کردار و عمل اس کے عین مطابق ہوجاتے ہیں۔

" کہو، میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کیلئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں:۔

(الانعام 163، 164)

محبتِ حسن اور اخلاقی عمل کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا:

اگر ایک مدعی ایمان اپنے عمل میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ حسنہ کا اظہار نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے خالقِ حقیقی کی صفات اور حسن کا کوئی ادراک حاصل نہیں کیا اور نہ ہی اسے اس سے محبت ہے کیونکہ یہ ناقابل تصور ہے کہ ایک شخص اللہ کی صفاتِ حسنہ مثلاً حسن، انصاف، حق، خیر، محبت وغیرہ سے متاثر ہو لیکن اپنے عمل میں ان کا اظہار قطعاً نہ کرے۔یعنی وہ انصاف کی بجائے ظلم، محبت کی بجائے نفرت و تشدد اور حق کی بجائے باطل کا اظہار کرے۔اگر وہ اپنے دعویٰ محبت میں سچا اور مخلص ہے تو تمام اندرونی اور بیرونی مشکلات اور موانع کے علی الرغم اللہ تعالیٰ کی صفات حسنہ کے سانچے میں اپنے عمل کو ڈھالنے کی حتی المقدور کوشش کرتا ہے اور اس سعی و جہد میں وہ صفاتِ حسنہ کے شعور کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرتا اپنے ذوقِ محبت کو بڑھاتا

اورخودآ گہی کی بلندتر منزل حاصل کرتا چلا جاتا ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ ذوقِ محبت کا جب تک عمل سے تعلق رہتا ہے اس کی شدت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے ۔اور جونہی وہ عمل سے جدا ہو کر شعوری سطح سے نیچے گرتا ہے اس کی شدت میں کمزوری واقع ہو جاتی ہے ۔

جو شخص ایک بار نیک اور راست عمل کرتا ہے، اس کا دوبارہ کرنا اس کے لئے نسبتاً آسان ہو جاتا ہے ایک ایسا شخص جس میں ظلم و تعدی عادتاً موجود ہو جب ایک بار شعوری طور پر مشفق و کریم ہونے کی کوشش کرتا ہے تو یہی عمل بار بار کرنے پر اس کے لئے آسان سے آسان تر ہو جاتا ہے اس کی وجہ اس کے ذوق محبت کی صحیح رخ میں نشو نما ہے ایک غلط عمل کا معاملہ اس کے بر عکس ہے ایک بار صراط مستقیم سے انحراف کر کے جب ایک شخص غلط کام کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے لئے صراط مستقیم پر مراجعت مشکل تر ہو جاتی ہے کیونکہ اس کے ذوق محبت میں کمی اور اضمحلال واقع ہو جاتا ہے چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ ہماری خودآ گہی اور ذوقِ محبت کا ارتقا کاملۃً ہمارے اعمال کی اخلاقی نوعیت پر منحصر ہے ۔ایک ایسا فرد جو حسنِ ازل کی پہچان کے بعد اس سے تعلق کا اظہار صرف ذکر و فکر کی شکل میں کرتا ہے لیکن اپنے روزمرہ کے افعال و اعمال میں اس کا اظہار نہیں کرتا ،خودآ گہی اور عرفان ذات کے اعلیٰ مدارج حاصل نہیں کر سکتا ۔ بلکہ احتمال اس بات کا بھی ہے کہ اس کا ذوقِ محبت کم ہو جائے کیونکہ صرف گیان دھیان سے وہ اسے جتنا مستحکم کرتا ہے، اپنی بے عملی کے نتیجے میں وہ اسے اس سے زیادہ کمزور کر دیتا ہے اور یہ طرزِ عمل یقینی طور پر گھاٹے کا سودا ہے ۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص صبح کے وقت دو گھنٹے اپنے ہدف کی طرف صحیح راستے پر چلے، لیکن دن کا باقی حصہ بالکل مخالف سمت میں چلتا رہے ظاہر ہے کہ ایسا شخص کبھی بھی اپنی منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا بلکہ اس سے دور ہی ہٹتا چلا جائے گا ۔

اخلاقی عمل کیونکر رفتہ رفتہ آسان تر ہو جاتا ہے:

جب کوئی محبِّ صحیح نصب العین سے محبت کرنا شروع کرتا ہے تو آغاز میں اس کا

جذبہ محبت کمزور ہوتا ہے چنانچہ اس نصب العین کے اخلاقی قانون کی پیروی میں بھی کوتاہی اور نقص رہ جاتا ہے۔ مکمل اور ہر نقص سے پاک پیروی ارتقاءِ خودی کی بلند سطح پر ہی ممکن ہے جب تک محبّ یا سالک اس منزل تک نہیں پہنچ جاتا، انتہائی کوشش کے باوجود وہ اکثر غلطیوں اور خامیوں کا مرتکب ہوتا رہتا ہے لیکن جب نماز اور دوسرے اذکار کا باقاعدہ اہتمام کر کے وہ حسنِ لازوال سے اپنا رشتہ محبت مضبوط کر لیتا ہے اور اپنے نفس کے اندھے داعیات پر کنٹرول حاصل کر لیتا ہے تو اس کے لئے جملہ اخلاقی قوانین پر کاربند ہونا آسان تر ہو جاتا ہے۔ اس کا عمل خامیوں سے مبرا اور اخلاقی اعتبار سے اعلیٰ تر ہوتا چلا جاتا ہے اور حسنِ مطلق کی صفات حمیدہ سے اس کی ہم آہنگی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس سطح پر اخلاقی عمل حسن پر ارتکازِ توجہ مزید ممکن بنا کر فرد کو اعلیٰ تر سطح کی خودشعوری اور ادراکِ ذات بہم پہنچاتا ہے۔ حسنِ مطلق کی زیادہ بہتر معرفت اور معیت پا کر جب ایک صاحبِ ایمان اپنے مشغولاتِ ذکر و فکر کی طرف لوٹتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اب ان میں پہلے سے کہیں زیادہ ارتکازِ توجہ کر سکتا ہے اور اس طرح وہ ان سے اطمینان و انبساط بھی زیادہ حاصل کرتا ہے حسنِ مطلق کا یہ مراقبہ اس کے جذبۂ عشق کو مہمیز دیتا ہے اور زندگی کے شب و روز میں اخلاقی قانون کی بجا آوری کو سہل بنا دیتا ہے اسطرح مراقبہ (یعنی ذکر و فکر) اور اخلاقی عمل باہم دگر لازم و ملزوم ہیں اور دونوں مل کر فرد کو ادراکِ ذات کے اعلیٰ تر مقام پر لے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ ارتقاءِ جذبۂ حب کی اعلیٰ ترین منزل تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ چنانچہ امر واقعہ یہ ہے کہ جذبہ محبت کی اگر مناسب آبیاری کی جائے اور اس کے تقاضوں کو مسلسل کما حقہ پورا کیا جائے تو اس میں ضرور اضافہ ہوتا ہے اور اس کی شدت و قوت دو چند ہو جاتی ہے۔

"جو لوگ راہِ راست پر ہیں اللہ ان کو (روز بروز) زیادہ ہدایات دیتا چلا جاتا ہے"۔ (مریم 76)

"اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ضرور انہیں اپنے راستے دکھائیں گے"۔ (العنکبوت 69)۔

کسبِ معاش

(امام غزالیؒ)

یہ دنیا محنت اور کمائی کی جگہ ہے' دنیا اور معاش بھی نیکی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ کہا گیا ہے ''دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔'' دنیا میں پھنس کر آخرت سے غافل نہ ہو' نہ زہد وعبادت میں دنیا کو چھوڑ بیٹھے۔ خدا نے رات آرام اور عبادت کے لیے اور دن معاش حاصل کرنے کے لیے بنایا ہے۔ طلب رزق میں سفر کرنا' بلند ہمتی کے ساتھ دور دراز جانا' پوری جدوجہد اور کوشش کرنا پسندیدہ ہے۔ کہا گیا ہے: ''زمین پر پھیل جاؤ اور خدا کا فضل تلاش کرو۔'' اور کہا گیا ہے'' جو شخص دنیا کو حلال طریقے سے کمائے تاکہ وہ سوال کی ذلت سے بچے' اپنے اہل وعیال کی خدمت کرے، ہمسائے پر خرچ کرے تو ایسے شخص کا چہرہ منور اور چمکدار ہو گا۔'' اور کمائی میں سب سے بہتر ذریعہ تجارت ہے، کیونکہ اس میں دس حصے رزق میں سے نو حصے رزق کے رکھ دیے گئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ وہ عبادت کر رہا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا تیرا کفیل کون ہے۔ اس نے جواب دیا میرا بھائی میری ضرورتیں اور اپنے بچوں کی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ اس کے لیے وہ جدوجہد کرتا ہے۔ آپؑ نے فرمایا وہ تجھ سے زیادہ عابد ہے۔ رزق کو اچھی طرح حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ کہیں نہیں کہا گیا ہے کہ رزق طلب کرنا، تلاش کرنا کوئی بیکار بات ہے' ابراہیم نخعیؒ نے عابد مخلص اور سچے تاجر میں سے سچے تاجر کو ترجیح دی ہے اور فرمایا کہ سچا تاجر گویا ہر وقت جہاد کرتا ہے۔

جہاں تک ہو سکے ہر معاملے میں' تجارت اور پیشے کے بارے میں بنیادی علم کا ہونا ضروری ہے۔ خلیفہ دوئم حضرت عمر فاروقؓ بازاروں میں یہ تاکید کرتے تھے کہ خرید وفروخت اور دوسرے معاملات میں وہی شخص کامیابی حاصل کر سکتا ہے جسے تجارت کا پہلے سے علم ہو۔

تجارت کے تین ارکان ہوتے ہیں: نمبر اوّل عاقد یعنی معاملہ کرنے والا اس میں تاجر کو چاہیے کہ بچے، مجنون، پاگل اور اندھے وغیرہ سے معاملہ نہ کرے کیونکہ ان کا اعتبار نہیں ہے ان سے معاملہ، معاملہ نہیں سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اس میں دھوکے کا بہت امکان رہتا ہے۔ دوسرا رکن وہ معاملہ اور وہ چیز ہے جس کی بیع ہو رہی ہے۔ وہ مال چوری کا، چھینا ہوا یا ناقص نہ ہو، تیسری بات یہ ہے کہ جس کا مال ہو اس کی اجازت سے فروخت کیا جائے ایسا نہیں کہ مال کسی اور کا ہو اور بغیر پوچھے کوئی فروخت کر دے۔ کوئی چیز بیچتے یا خریدتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھے کہ کھوٹا یا خراب سکہ نہ دے، یہ ایک طرح کا دھوکا ہے۔ جس کا اثر پورے معاشرے پر پڑتا ہے۔ معاملات میں عدل سے کام لینا ظلم سے بچنا ضروری ہے۔ ظلم کا مطلب یہ ہے کہ اس معاملے سے کسی کو نقصان نہ پہنچنا چاہیے۔

کسی نے غلّہ جمع کیا اور اس نیت سے فروخت نہیں کر رہا ہے کہ جب خوب گرانی ہوگی تب فروخت کرے گا' یہ سخت دلی اور غیر انسانی حرکت ہوگی' ویسے عام طور پر اس حرکت کی سخت ممانعت ہے۔ لیکن جب غلّہ مہنگا یا بازار میں کم ملتا ہو تب تو ہرگز یہ فعل نہ کرنا چاہیے' اسی طرح دوسرا ظلم وہی ہے یعنی کھوٹے سکّے کو رواج دیا جائے۔ اس کا ضرر اور فساد عام ہوتا چلا جائے گا۔ یہاں یاد رکھنا چاہیے کہ دوسروں کے لیے وہی بات پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو تو ایسا کون شخص ہے جو کھوٹا سکّہ لینا پسند کرے گا' تجارت میں عدل کا خیال رکھے' عدل کا مطلب یہی ہے کہ اپنے بھائی کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچائے۔ جو بات ایسی ہو کہ کوئی تمہارے ساتھ کرے تو ناپسند و ناگوار ہو تو وہ بات خود بھی دوسروں کے لیے نہ کرے' حوصلہ اتنا ہو کہ دوسروں کا مال اور اپنا مال اپنی نگاہ میں برابر ہو' اس کے لیے اس بات کا خیال رکھے کہ دوسروں کا پیسہ لینے کے لیے سامان میں جو خوبی نہ ہو اسے ہرگز بیان نہ کرے اور سامان میں جو عیب ہو اس کو کھول کر بیان کر دے۔ نرخ اور بھاؤ نہ چھپائے بلکہ صاف اور صحیح صحیح بتا دے۔ کاریگر کیلئے سب سے بُری بات یہ ہے کہ وہ کل پرسوں کا وعدہ کرتا رہے اور گاہک پریشان ہو' سامان میں جو عیب ہو اُسے

کھول کر بیان کر دے عیب چھپا کر بیچنے والا سخت دل اور ظالم ہے۔ جو چند پیسوں کی خاطر اپنے بھائی کو دھوکے دے رہا ہے۔ کپڑے کا اچھا رُخ سامنے رکھنا اور بُرا تھان کے اندر لپیٹ دینا دغا بازی ہے۔ ایسے ہی سامان کو اندھیرے میں دکھانا یا اچھا سامان دکھلا کر بُرا دینا سخت دغا بازی ہے۔ اور اپنے بھائی کے ساتھ دغا وفریب حرام ہے غلّے میں اچھا حصہ اوپر رکھنا اور بُرا نیچے یا اندر والا حصہ بھگو دینا کہ تول میں کم چڑھے گا۔ یہ سب بے ایمانی اور بد دیانتی ہے ایمان کی سب سے بنیادی اور پہلی شرط یہ ہے کہ دوسروں کے جان و مال کو اپنی جان و مال کی طرح سمجھے اور دغا وفریب دینے سے بچے یہ بات اسی وقت پیدا ہو گی جب اسکو اس بات کا یقین ہو کہ عیب کو چھپا کر سامان بیچنے سے، لوگوں کو دھوکا دے کر، میں اپنے کاروبار کو نفع نہیں پہنچا سکتا بلکہ نقصان ہی میں رہوں گا، پہلے لوگ اپنے سامان کے بکنے کا نفع حاصل ہونے کا اتنا خیال نہیں رکھتے تھے جتنا ایک بھائی کو دھوکا دینے سے اور اس کو جھوٹ بول کر لوٹنے سے گھبراتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ کسی انسان کو دھوکا دے کر مال بڑھانے کا وبال ہمیشہ ہماری گردن پر رہے گا۔ ایمان داری سچ کا نفع۔ مال کے نفع سے زیادہ ہے۔ چند پیسوں کے عوض اس دولت کو چھوڑنا سخت نادانی ہے۔ جب لوگ اس قسم کی نادانی کرنے لگیں اور پھر اپنے مسلمان ہونے کا بھی دعویٰ کریں تو ان کا اعتبار نہ کرو۔ وہ جھوٹ بولتے ہیں ان کے دل خدا کے خوف سے خالی ہیں وہ حرام چیزوں سے نہیں بچتے۔ کیونکہ ایک بھائی کو دغا اور فریب دینا سب سے بڑا جرم ہے مگر اس کی انہیں پرواہ نہیں ہے حالانکہ اسلام کی تعلیم ہے کہ اپنے ہر بھائی کی خیر خواہی کی جائے۔ کاریگر کو ہرگز یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے کام میں سستی کرے۔ اسے یہ خیال کرنا چاہیے کہ اگر کاروبار اس کا اپنا ہوتا اور کوئی ملازم کاریگر اپنے کام میں سستی کرتا تو اُسے کس قدر دکھ ہوتا اس لیے اُسے اپنا کام ایمان داری دیانت داری اور محبت ومحنت سے کرنا چاہیے چیز یا مال کی مقدار میں کسی قسم کی دغا بازی نہ کرے تو لتے وقت اس بات کا پورا خیال رکھے۔ اس قسم کے حقوق کی پابندی کی جو بار بار تاکید ہے وہ اس لیے ہے کہ یہ بندوں کے حقوق ہیں خدا انہیں معاف نہیں کرے گا اور اگر عادت ہی پڑ گئی تو ہزاروں لوگوں کے حقوق

ہوں گے کس کس کو یاد رکھے گا۔ کس کس سے معافی مانگے گا۔ بعض بزرگ خدا کے حکم کے خلاف گناہ کرنے سے ڈرتے تھے' بچتے تھے مگر اس سے اس قدر حیران و پریشان نہیں ہوتے تھے جس قدر مخلوق کے حقوق اور تکلیف سے کیونکہ اس کا تو معاف ہونا بھی مشکل ہوتا ہے۔

ایک صورت معاملات میں احسان کرنے کی ہے۔ احسان کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ایسا کام کرے، جس میں دوسرے کا نفع زیادہ پیشِ نظر ہو۔ اگرچہ وہ کام اُس پر ضروری نہ ہو مگر حسنِ سلوک کے طور ہی سہی ،اس کے نفع کا کام کرے۔ یہ بہترین شرافت اور اخلاق کا معاملہ ہے۔ یعنی نفع ضرور لے، تجارت بلا نفع کے بے معنی ہے۔ حتی الامکان زیادہ نفع نہ لے، دوسرے بھائی کا خیال رکھے۔ کسی ضرورت مند کو معمولی نفع پر کوئی چیز دے دینا بھی احسان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے تجارت کو نقصان نہیں پہنچتا بلکہ تھوڑا منافع لینے والا چند ہی دن میں چمک جاتا ہے بس ذرا ہوس کو قابو میں رکھنے کی ضرورت ہے۔ اتنی ہوشیاری رہے کہ کوئی دھوکا نہ دے سکے اور نہ خود کسی کو دھوکا دے۔ کرم اور اخلاق اس قدر بلند ہو کہ کسی بھائی کو دھوکا دینے کا تصور بھی نہ آئے اور عقل اس قدر بیدار ہو کہ کوئی دھوکا دہی بھی نہ کر سکے۔ کسی سے قیمت اور قرضہ وصول کرنے میں بھی احسان سے کام لیا جا سکتا ہے:

(1) جس قدر قرض دیا ہے اس میں سے کچھ معاف کر سکے تو معاف کر دے۔

(2) قرض مال لینے والے کو قیمت کی ادائیگی میں مہلت دے دے اور وقت میں توسیع کر دے۔ ممکن ہے وعدے پر وہ پریشان رہا ہو۔ اگر وہ تھوڑے تھوڑے کر کے پیسے دینا چاہتا ہے تو اسے مجبور جانے اور اسی طرح قبول کر لے۔

قرض دینا بڑی اچھی بات اور بھائی چارے کی علامت ہے بلکہ صدقہ تو محتاج اور غیر محتاج دونوں کو مل سکتا ہے مگر قرض وہی لیتا ہے جو بہت زیادہ محتاج اور حالات سے پریشان ہو جاتا ہے۔

قرض ادا کرنے میں احسان کی صورت یہ ہے کہ حق اس کے پاس پہنچا دے۔ یہ نہ ہو کہ اس کو تقاضے کے لیے تکلیف کرنی پڑے۔ جس طرح اور جہاں لین دین طے ہوا ہے اس کا

خیال رکھے اور ادائیگی میں یا قرض دینے میں شرافت اور وقار کا خیال رکھے۔ کسی غریب اور فقیر کو کچھ دیتے ہوئے بہتر ہے کہ یہ ارادہ کر لے کہ اگر یہ نہ واپس کر سکا تو میں معاف کر دوں گا۔ اب اگر وہ دے سکے تو واپس لے لے اور دینے کے قابل نہ ہوا تو نہ اُسے انتظار رہے گا نہ تکلیف ہوگی۔ اس قسم کے معاملات کرنے والے لوگوں کے لیے کہا گیا ہے کہ ”جس کی تعریف محلے پڑوسی، سفر کے رفیق اور بازار میں اہل معاملہ کریں وہ سب سے بڑا دیندار اور شریف انسان ہے۔“ تجارت اپنے دوسرے بھائیوں کی مدد کا بہترین ذریعہ بھی ہوسکتی ہے۔ اگر انسان کسی کام کے شروع کرنے سے پہلے ذرا اپنے ارادے اور نیت کا جائزہ لے لے!! مثلاً وہ سوچے کہ اپنے اس کاروبار سے ایک طرف میں دوسروں کا دستِ نگر ہونے سے، دوسروں سے سوال کرنے سے بچ سکوں گا تو دوسری طرف اپنے اہل وعیال، اور دوسرے تمام انسانوں کی خیر خواہی کر سکوں گا۔ کم قیمت پر مال دے کر اُن کی ضرورت میں آسانی پیدا کروں گا، چنانچہ کبھی دوسرے بھائیوں کے مقابلے میں اپنے مفاد، اپنی پسند ہی کو سب کچھ نہ سمجھ لے بلکہ دوسروں کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے کرتا ہے۔

اپنی صنعت اور کاروبار کو محض دنیا داری یا مال جمع کرنے کا ذریعہ ہی نہ بنا لے۔ بلکہ صدق دل سے یہ خیال کرے کہ یہ ایک فرض کفایہ ہے کیونکہ اگر تمام لوگ صنعت اور کاروبار چھوڑ دیں تو معاش کا کاروبار ٹھپ ہو جائے۔ دنیا کا نظام ایک دوسرے کی معاونت اور مدد سے ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر تمام لوگ ایک ہی طرح کی صنعت یا کاروبار شروع کر دیں تب بھی معیشت پر اثر پڑ سکتا ہے۔ اس لیے معاشرے کے نظام کو برقرار رکھنے کے لیے الگ الگ صنعتوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔

سوال یہ ہے آدمی کے پاس کہیں سے کچھ مال آئے تو کیا اس کی تحقیق جستجو کرنی چاہیے یا نہیں؟ تو تحقیق ضرور کرے مگر جہاں مال میں یا مال والے کے بارے میں کچھ شبہ ہو وہاں تحقیق کر سکتا ہے۔ بہر حال عام حالات میں کسی پر بلا وجہ شبہ نہ کرنا چاہیے بلکہ انسان کے حالات کو

اچھے گمان پر محمول کرنا چاہیے‘ ہوسکتا ہے تحقیق حال یا جستجو سے کسی کے دل کو تکلیف پہنچے‘ اور کسی کے دل کو تکلیف پہنچانا بڑے عذاب کا کام ہے۔ قرآن نے صاف منع کیا ہے۔ ”بہت زیادہ تہمتوں سے بچتے رہو کیونکہ بعض تہمت گناہ ہے اور نہ ایک دوسرے کے بھید تلاش کرو، نہ کسی کو پیٹھ پیچھے بُرا کہو۔“

اگر صاحب مال کے ظاہری حالات ایسے خراب ہوں جس سے اسکی فطری لاپرواہی اور عام بدعنوانی ثابت ہوتی ہو اور اُس سے کوئی مال مل رہا ہے تو اُسے لینے میں دو باتیں ہوسکتی ہیں یا تو قبضہ اور ملکیت کا اعتبار کرے اور کہے کہ مجھے اس کے عام حالات سے کیا بحث‘ میں یہ بدگمانی کیوں کروں کہ عام حالات خراب ہیں اسلئے اس نے مال لینے میں بھی بے احتیاطی کی ہوگی۔ مجھے تو اس کے قبضے سے اس کی ملکیت سے ایک چیز ملی ہے اور قبضہ و ملکیت اصل ہے اس لیے اس کا اعتبار کرتا ہوں اور مال بالکل ٹھیک ہے تو یہ کہنا بھی صحیح ہوگا اور مال لے سکتا ہے۔ دوسری صورت احتیاط کی ہے اور وہ یہ ہے کہ عام حالات کا اعتبار کرے اور سوچے کہ جب یہ شخص اتنا بُرا ہے تو اُس کے قبضے کا کیا اعتبار‘ اس کی برائیاں اصل ہیں اور قبضہ ایک ثانوی اور ضعیف چیز ہے اس کا مال لینا درست نہیں ہے کیونکہ حکم بھی یہی ہے ”جو چیز دل میں کھٹکے اُس کا لینا درست نہیں ہے۔“

دعائے مغفرت

ڈسکہ سے پیر بھائی طارق محمود صاحب
اور عبدالرشید ساہی صاحب کے قریبی عزیز
طیب ساہی صاحب اور ضیاءاللہ گھمن صاحب
بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـا اِلَیْہِ رَاجِعونَ)
مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
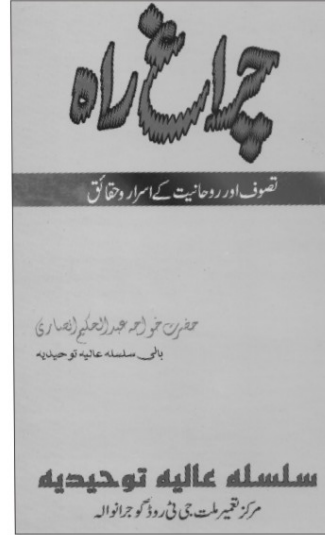
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔
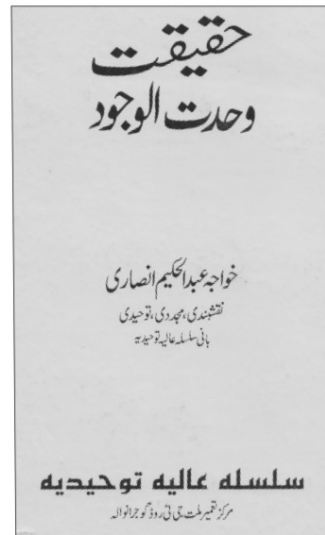
مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔
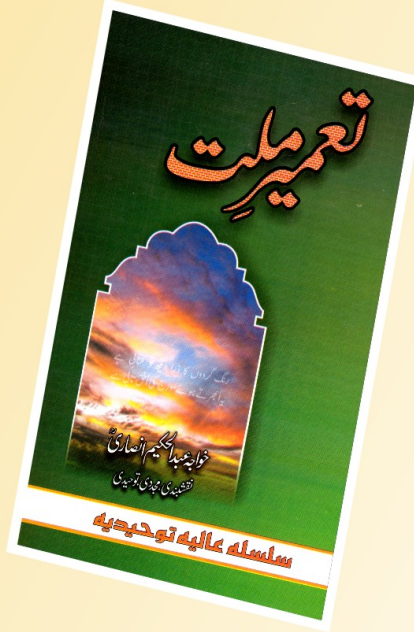
یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔
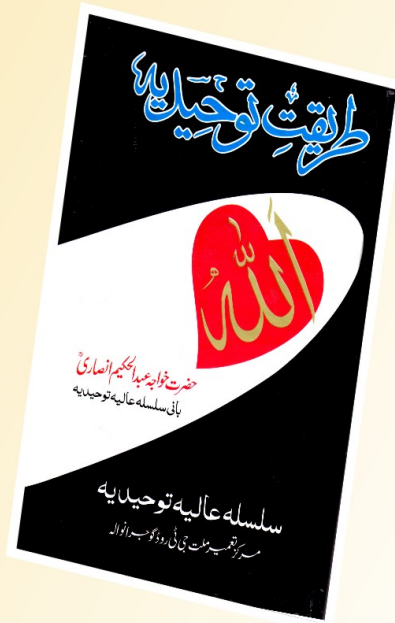
Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com